ڈائرکٹوریٹ آف ڈِسٹینس ایجوکیشن، یونیورسٹی آف جموّں، جموّں

کلاس: ایم۔اے	مضمون : اُردو
کورس نمبر: 205 (اردو لسانیات اور قوائد)	سمسٹر: دوئم
یونٹ: I-IV	اکائی: 1-16

پروفیسر (ڈاکٹر) شہاب عنایت ملک	ڈاکٹر لیاقت علی
کورس کوآرڈی نیٹر	انچارج ٹیچر

(c) جُملہ حقوق محفوظ ہیں۔ اِس کتاب کا کوئی حِصّہ کسی شکل میں جموّں یونیورسٹی کی تحریری اِجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

زیر اہتمام: نظامت فاصلاتی تعلیم، جموں یونیورسٹی، جموں

مضمون نگار:

۱۔ **ڈاکٹر زبیر شاداب خان** (اکائی ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ اور ۱۲)

ایسوسیٹ پروفیسر، CPDUT اردو اکادمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۲۔ **ڈاکٹر فرحت شمیم** (اکائی ۱۳، ۱۴، ۱۵ اور ۱۶)

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی، جموں

پروف ریڈنگ : **ڈاکٹر لیاقت علی**

اور **انچارج ٹیچر (اردو) ڈی۔ڈی۔ای، جموں یونیورسٹی جموں**

اڈیٹنگ

SYLLABUS

COURSE NO. 205 (URDU LISANIYAT AUR QAWAID)

CREDITS : 04

M. MARKS : 100

a) Semester Examination: 80 Marks

b) Internal Assessment: 20 Marks

Objectives:

The course envisages to enable the students to improve the knowledge about Tareekh Zaban-e-Urdu and ideology origin of Language. The unit-wise details of the syllabus as under:-

Unit-I

۱۔لسانیات سے کیا مراد ہے؟ ۲۔لسانیات کی اقسام (تاریخی لسانیات،عمومی لسانیات اور اطلاقی لسانیات)

۳۔ارتقائے لسان کے مدارج ۴۔لسانیاتی اصطلاحات

Unit-II

۱۔شعری لسانیات ۲۔زبانوں کی خاندانی خصوصیتیں

۳۔زبان اور بولیاں ۴۔زبان اور لسانیات

Unit-II

۱۔ لسانیات اور تنقید ۲۔ اردو کے اسالیب بیان

۳۔ کراخنداری اردو کی صوتی ساخت ۴۔ زبانوں کی نوعیاتی اور خاندانی گروہ بندی

Unit-II

۱۔ علم ہجا و املا (حروف تہجی، حروف تہجی کے ملاپ کا طریقہ، اعراب و حرکاتِ ثلاثہ، جزم، تشدد، مد، تنوین)

۲۔ تشکیل الفاظ (مفرد، سبق لاحقی، امتزاجی، ترکیبی، تہنید)

۳۔ صرف (اجزائے کلام: اسم، ضمیر، صفت، فعل، تمیز فعل اور فعل کا تعارفی مطالعہ، اسم خاص اور اسم عام، ضمیر کی قسموں تعارف، فعل کی اقسام، فعل لازم، فعل متعدی، فعل تمام و انا تمام، مضارح، فعل حال، ماضی، مستقبل، فعل معاون، فعل مرکب)

۴۔ نحو (مرکب ناقص، مرکب جملہ)

NOTE FOR PAPER SETTER:

There are four units in the course No:- 105

this Paper shall be devided in four Units viz Unit-I, Unit-II, Unit-III and Unit-IV. The paper setter shall be set two question from each Unit, the candidates shall be required to attempt one question from each Unit. The total number of questions to be attemted in this Paper shall be 4, which will carry equal marks. Unit wise distribution of marks shall be as Unit-I = 20, Unit-II = 20, Unit-III = 20, Unit-IV = 20. Total is 80. Distribution of nternal Assessments shall be two home assignments = 10x2 =20.

Books Recommended:

۱۔ اردو زبان: تاریخی تشکیل، تقدیر، از مسعود حسین

۲۔ اردو لسانیات، از ڈاکٹر شوکت سبزواری

۳۔ شعری لسانیات، از انیس ناگی

۴۔ جدید اردو لسانیات، از امیر اللہ خاں شاہین

۵۔ تنقید اور اسلوبیاتی تنقید، از مرزا خلیل احمد بیگ

۶ ہندوستانی لسانیات، از سید محی الدین قادری

۷۔ اردو لسانیات، از نصیر احمد ناصر

۸۔ اردو لفظ کا صوتیاتی اور تجزیہ صوتیاتی مطالعہ

۹۔ عام لسانیات، از گیان چند جین

۱۰۔ تشریحی لسانیات، از سہیل ندوی

۱۱۔ توضیحی لسانیات، از قاضی افضال حسین

۱۲۔ اردو زبان و لسانیات، از گوپی چند نارنگ

۱۳۔ دکنی زبان کے قواعد، از حبیب ضیاء

۱۴۔ قواعد اردو، از عبد الحق

۱۵۔ زبان اور قواعد، از رشید حسن خاں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فہرست

اِکائی1	لسانیات سے کیا مراد ہے؟	01
اِکائی2	لسانیات کی اقسام	04
اِکائی3	ارتقائے لسان کے مدارج	23
اِکائی4	لسانیاتی اصطلاحات	28
اِکائی5	شعری لسانیات	36
اِکائی6	زبانوں کی خاندانی خصوصیتیں	40
اِکائی7	زبان اور بولیاں	45
اِکائی8	زبان اور لسانیات	55
اِکائی9	لسانیات اور تنقید	62
اِکائی10	اردو کے اسالیب بیان	66
اکائی11	کراخنداری اردو کی صوتی ساخت	67
اکائی12	زبانوں کی نوعیاتی اور خاندانی گروہ بندی	71
اکائی13	علم ہجا واملا	77
اکائی14	تشکیل الفاظ	103
اکائی15	صرف	109
اکائی16	نحو	164
	اسائنمنٹ سوالات	183

اکائی نمبر1: لسانیات سے کیا مراد ہے؟

زبان کے سائنسی مطالعہ کو لسانیات کہتے ہیں۔اس میں انسانی زبانوں کا، زبانوں کی موجودہ صورت حال کا اور زبانوں میں وقت کے ساتھ ساتھ آنے والی تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔'لسان' عربی زبان کا لفظ ہے جو اِسم مفرد مؤنث ہے اس کے لغوی معنی 'زبان' یا 'بھاشا' کے ہیں۔ یہ انسانی خیالات کے اظہار کا وہ واحد ذریعہ ہے جو ملفوظ آوازوں کی مدد سے انسان کے مطالب ومقاصد کو ایک دوسرے تک پہنچاتا ہے۔ ہر زبان حروف کا ایک جامع نظام رکھتی ہے،ان حروف سے الفاظ اور الفاظ سے فقریا ور جملے ترتیب پاتے ہیں، یہی جملے عبارت اور پیراگراف کو تشکیل دیتے ہیں۔زبانوں کا آپسی ربط، معاشرے پر اس کے اثرات اور ساتھ ہی ان میں رونما ہونے والے تغیرات بھی لسانیات کا موضوع ہے۔

لسانیات میں 'زبان' اور 'سائنس' کی دو اصطلاحیں استعمال ہوئی ہیں۔ان میں زبان خود اختیاری یعنی انسان کی ہی ایجاد کردہ ہے جو آوازوں کا مجموعہ اور ترتیب ہے۔اسے انسان معاشرے میں بات چیت کے لیے استعمال کرتا ہے۔اشاروں کی زبان کا لسانیات سے زیادہ تعلق نہیں، ترتیب شدہ آوازیں ہی لسانیات کا اصل موضوع ہوتی ہیں۔

اردو میں ایک منظّم اور مربوط انداز میں زبان کے سائنسی مطالعہ کو ''علم لسان'' کا نام دیا گیا ہے۔اور لسانیات کا علم رکھنے والوں کو ''ماہرین لسانیات'' کہا جاتا ہے۔زبان کی ترقی اور اس کے فروغ میں لسانیات اہم کردار ادا کرتی ہے۔ماہر لسانیات زبان کا مختلف طریقوں سے مطالعہ کرتا ہے اور اس زبان کے مقامی لوگوں سے ملاقات کر کے اس کی ساخت اور بناوٹ کی تلاش بھی کرتا ہے۔لسانیات میں مختلف زبانوں کی تاریخ، ارتقاء، زبانوں کے رشتے، شجرے اور ساخت سے بحث کی جاتی ہے۔دراصل لسانیات بھی تنقید ہی ہے کیوں کہ اس میں زبانوں کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ زبان کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔لسانیات کے مسائل ومباحث میں بڑی وسعت ہے۔وہ زبان کے ہر پہلو کو لے کر بحث کرتی ہے۔لسانی تنقید میں زبان کے تعمیری عناصر کے اظہار وبیان پر اثرات دکھائے جاتے ہیں۔

لسانیات زبان کی تنقید ہے۔ماہر لسانیات 'میکس مولر' نے گرامر اور لسانیات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان میں 'کیا' اور 'کیوں' کا فرق ہے۔گرامر کیا ہے اور لسانیات کیوں ہے۔مثلاً گرامر لفظ اور کلمے کی شناخت کر کے بتاتی

ہے کہ وہ کیا ہے۔اسم ہے یا فعل۔اسم ہے تو اسم ذات ہے یا صفت۔فعل ہے تو ماضی ہے یا مضارع۔ماضی ہے تو غائب کا صیغہ ہے یا حاضر کا۔دوسری جانب لسانیات یہ بتاتی ہے کہ اسم کیوں ہے،فعل ماضی کس لیے ہے۔وہ الفاظ اور کلمات کی شناخت نہیں کرتی۔لیکن ان کی حقیقت اور اصلیت کے چہرے سے نقاب اٹھاتی ہے۔ان کی زندگی کے مختلف عہد کی نشاندہی کرتی ہے۔گرامر کی شناخت ناقص اور نامکمل تھی۔لسانیات رشتے مکمل کرتی ہے۔

لسانیات کے مطالعے میں ایک اہم چیز یہ ہے کہ زبان کا تجزیہ کرتے وقت ہمیں ایک معیاری طریق کار کا انتخاب کرنا چاہیے۔زبان کے سائنٹفک مطالعے میں دوسری اہم چیز باقاعدگی ہے جسے صراحت سے بالکل الگ نہیں کیا جاسکتا۔لسانیات کا سب سے نزدیکی رشتہ مروجہ قواعد سے ہے لیکن دونوں یکساں نہیں ہیں۔ان میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ لسانیات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔صرف ونحو اس کے محض دو شعبے ہیں۔ان شعبوں اور مروجہ قواعد میں بھی فرق ہوتا ہے۔قواعد کسی ایک زبان سے متعلق ہوتی ہے لیکن صرف ونحو کے اصول عام طور سے کئی زبانوں پر چسپاں کیے جاسکتے ہیں۔لسانیات سے قدیم ادب کو اور دوسری زبانوں سے مستعار لفظوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔لسانیات کے لیے ادب مسالہ فراہم کرتا ہے۔زبان کا تاریخی مطالعہ عہد بہ عہد کے ادبی نمونوں ہی کے سہارے ہوسکتا ہے۔

جدید لسانیات میں بولا ہوا لفظ لکھے ہوئے لفظ کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔یہ زبانوں کے مطالعے کے لیے تاریخی یا دوزمانی منہاج کی جگہ یک زمانی طریق کار کو اختیار کرتی ہے۔اس لیے رسم الخط یا فن تحریر کی قدامت کی بحث اس کے دائرہ کار سے زیادہ تعلق نہیں رکھتی۔زبان محض ایک عام نظام نہیں جس کے مطابق جملوں کی تشکیل ہوتی ہے بلکہ وہ تو ایک ایسا نظام ہے جس کے اندر جملوں کی تشکیل کی تشکیل کے قواعد کا علم بھی مضمر ہوتا ہے جب زبان کو گفتار سے جدا کیا جاتا ہے۔پس زبان کا ایک جامع تجریدی نظام ہے اور گفتار اس کی محدود انفرادی شکل ہے۔جو بولنے والے نطق میں ظاہر ہوتی ہے۔لسانیات نے زبان کے مطالعہ اور اس کی پیچیدگیوں کو جانچنے کے لیے ہمیں مختلف نظریات وتصورات، تجزیہ اور تقابل کی نئی تکنیک سے روشناس کرایا ہے اور اسی ردِّعمل کی بنا پر لسانیات معرضِ وجود میں آئی۔تاریخی لسانیات کے حوالے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صرف ونحو یعنی قواعد ہی لسانیات کی روایتی شکل ہے۔مغربی مفکرین کے خیالات سے ہی قواعد نگاری کا ظہور ہوا حتیٰ کہ جملے کی ساخت کا تصور ارسطو اور افلاطون کے نظریات سے وقوع پذیر ہوگیا تھا۔

زبان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اسے انسان خود اختیار کرتا ہے۔جب کوئی بھی آواز نکلتی ہے تو اس سے بننے والی

شکل کا اس کے معنی کے ساتھ فطری یا منطقی طور پر کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی قدیم ترین بولی جانے والی زبانوں عبرانی، یونانی، لاطینی اور سنسکرت کو آج زبانوں کی مائیں کہا جاتا ہے۔ ان تمام زبانوں کی ہی ترقی یافتہ زبانیں دنیا میں رائج ہیں۔ اگر آواز کے فطری یا منطقی معنی میں کوئی فرق نہ ہوتا تو آج پوری دنیا میں ایک ہی زبان کی حکومت ہوتی۔ زبانوں کے آپس کے اختلاف کے لحاظ سے تقریباً تین ہزار بڑی زبانیں دنیا میں بولی جاتی ہیں جن کے تقریباً سو خاندان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام زبانوں کی آوازوں یعنی حروف تہجی میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کیوں کہ یہ حروف تہجی اصل میں زبانوں کی علامتیں ہیں۔ لسانیات الفاظ اور معنی میں ہونے والی تبدیلیوں کو کہتے ہیں تاریخ عالم کے شروع میں انسان کی ایک زبان تھی جو بعد میں رفتہ رفتہ تبدیل ہوتی گئی جیسا کہ موجودہ دور میں ہم اپنے ہی ملک میں اس بات کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر پچیس میل کے فاصلے پر زبان میں فرق ضرور دکھائی دیتا ہے۔ یہیں پر لسانیات زبان کے ماخذ کی تلاش کرتی ہے، الفاظ کی تشریحات، تقابلی جائزے تاریخی لسانیات کا موضوع ہیں۔ ''لسانیات'' چوں کہ زبان کا سائنسی طریقے سے مطالعہ کرتی ہے اس لیے اس حوالے سے یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ زبان کے دو تفاعل ہیں، ایک معاشرے میں کام سرانجام دیتی ہے اور دوسرا اس کی ساخت کی بناوٹ ہے۔ انسان کے اظہار و خیالات اور ابلاغ کا سب سے اہم ذریعہ زبان ہی ہے۔ کسی بھی قسم کی معلومات کو دوسروں تک پہنچانے کا اہم وسیلہ ہے ماہر لسانیات کے نزدیک زبان ایک سماجی عمل ہے، اس کے اظہار و خیال کے لیے بصری، صوتی یا سمعی حسّیں استعمال ہوتی ہیں۔

مجموعی طور پر تمام تر بحث و مباحثہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لسانیات نے ہمیں یہ تصور دیا ہے کہ زبان کا مطالعہ کس طرح کرنا چاہیے۔ اس نے زبان کی پیچیدگیوں کو سلجھانے کے لیے ہمیں نئے نظریات و تصورات دیئے، نئے طریق کار اور تجزیے کی نئی تکنیک سے بھی متعارف کرایا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زبان کی توضیح اور روایتی نظریات کے متعدد عناصر اب تک ہمیں صرف بھٹکاتے رہے ہیں اور ان کے خلاف ایک ردّعمل تھا جو لسانیات کے وجود میں آنے کا باعث بنا۔

اردو لسانیات میں تحقیق کرنے کی بہت حد تک گنجائش موجود ہے۔ اگر صرف اردو کے توضیحی مطالعے کو بھی لیں تو کئی سالوں بعد ایک آدھ تحقیقی مضمون ہی سامنے آتا ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ، ڈاکٹر گوپی چند نارنگؔ، ڈاکٹر ھیان چند، ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ اور چند دیگر محققین نے تاریخی اور تقابلی مطالعے پیش تو کیے ہیں لیکن اردو لسانیات میں تحقیق کا ڈسپلن وضع کرنے کے لیے ابھی مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اکائی نمبر2: لسانیات کی اقسام

تاریخی لسانیات

اردو لسانیات کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ اردو تنقید کی طرح اردو لسانیات میں بھی بہت سے نظریات وافکار مغرب کی مرہون منت ہیں۔مغرب سے زبان کی پیدائش کے بارے میں خیالات اخذ کیے گئے۔مغربی تراجم کی بدولت اردو میں لسانی مباحث کے میدان میں اہم پیش رفت ہوئی اور ان تراجم کی بنا پر اردو لسانیات میں مزید تحقیق وتنقید کے دروازے کھلے۔اردو زبان کی پیدائش،ارتقا،نشو ونما اور دیگر نظریات خالصتاً اردو کے محققین کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔اس طرح اردو قواعد میں ابتدائی طور پر مستشرقین نے کام کیا اور قواعد کی کتب ترتیب دیں تاہم ان کتب کی بنیاد پر مقامی ماہرینِ زبان اور ناہرینِ لسانیات نے محنت اور اپنی کاوشوں سے کام لیتے ہوئے ان کو درجہ استناد بخشا۔یوں مجموعی طور پر لسانیات ہی ایسا شعبہ کہا جا سکتا ہے جس میں ہمارے اپنے ماہرین ومحققین نے نسبتاً زیادہ کارہائے نمایاں انجام دیے اور غیروں سے نسبتاً کم فیض حاصل کیا۔

دنیا میں بولی جانے والی تمام زبانوں کی صحیح تعداد کا پتا لگانا بہت مشکل ہے لیکن ماہرین لسانیات کے ایک محتاط اندازے کے مطابق پوری دنیا میں پانچ ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں۔ان میں سے بعض زبانیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور بعض زبانیں آپس میں ملتی جلتی ہیں یعنی باہمی مماثلت رکھتی ہیں۔جو زبانیں باہمی مماثلت رکھتی ہیں انھیں ''ہم رشتہ'' زبایں کہتے ہیں۔ہم رشتہ زبانوں کو ایک گروہ یا زمرے میں رکھا جاتا ہے۔مماثل یا ہم رشتہ زبانوں کے اسی گروہ یا زمرے کو ''لسانی خاندان'' کہتے ہیں۔اس حوالے سے سنسکرت،یونانی،لاطینی،کیلٹک اور جرمانک یہ تمام زبانیں اپنی ساخت کے اعتبار سے باہم بے حد یکسانیت رکھتی ہیں۔ان کے اندر پائی جانے والی مماثلتیں اتنی گہری ہیں کہ یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ان کا ارتقا کسی ایک مشترک ماخذ سے ہوا ہے جو اب ناپید ہے۔اسی طرح کے لسانی مشاہدات پہلے بھی کیے جاتے رہے ہیں،لیکن اس نظریہ نے عالموں کے ذہنوں کو نئے سرے سے ممیّز کیا اور ان میں ایک نیا جوش

اور ولولہ پیدا ہوا، نیز یورپ میں انگریزی اور جرمن زبانوں کی قدیم شکلوں کے یونانی، لاطینی، سنسکرت اور دوسری زبانوں سے منظّم اور باقاعدہ طور پر مقابلے کا آغاز ہوا۔ انیسویں صدی کے دوران اس تقابلی مطالعہ کی بنیاد پر ان زبانوں کی گروہ بندی ہند یورپی خاندان کے تحت کی گئی۔

جب ہم زبانوں کے ان خاندانوں پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہند یورپی خاندان دنیا کا سب سے بڑا اور اہم لسانی خاندان ہے۔ اس میں شامل زبانیں روس اور یورپ کے تقریباً سبھی ملکوں میں بولے جانے کے علاوہ ہندوستان، پاکستان، ایران، افغانستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور نیپال میں بھی بولی جاتی ہیں۔ اس حوالے سے ہند یورپی خاندان کی حسب ذیل گیارہ شاخیں بتائی جاتی ہیں۔

۱۔	کیلٹک	۲۔	جرمانک	۳۔	لاطینی	۴۔	یونانی			
۵۔	البانیائی	۶۔	بالٹک	۷۔	سلاوی	۸۔	اناطولیائی			
۹۔	آرمینیائی	۱۰۔	ہندایرانی، ایرانی، انڈک ہندآریائی			۱۱۔	تخاری			

زبانوں کے ان خاندانوں میں سے انڈک یا ہندآریائی، ہند یورپی خاندان کی ایک نہایت اہم شاخ ہے جس کا ارتقا ہندوستان میں ہوا۔ ہندآریائی کے بولنے والے آریا قوم کے لوگ ہیں جن کی تاریخ ساڑھے تین ہزار سال پرانی ہے۔ ''اردو'' زبان کا تعلق بھی اسی ہندآریائی خاندان سے ہے۔

ہندآریائی کا قدیم دور ۱۵۰۰ ق م، یعنی پورے ایک ہزار سال تک قائم رہتا ہے۔ یہ دور آریاؤں کی قدیم زبان سنسکرت کی نمائندگی کرتا ہے۔ سنسکرت زبان کے سب سے بڑے قواعد نویس پانی کا تعلق اسی دور سے ہے۔

اگر ہم لسانیات کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لیں تو بلا تکلف کہہ سکتے ہیں کہ روایتی قواعد کی ترقی یافتہ شکل ہی لسانیات ہے جس کی ابتدا پہلی صدی کے اوائل میں ہو چکی تھی روایتی قواعد سے مراد انداز فکر رکھنے والے لوگوں کے وہ خیالات ہیں جو ان کی تحریروں میں مختلف طریق ہائے کار اور قواعدی اصولوں کی شکل میں بکھرے ہوئے ہیں۔

زبان ہمیشہ فلسفہ، منطق، مذہب، علم بیان، فصاحت و بلاغت، تدریس زبان اور ادبی تنقید سے وابستہ رہی ہے۔ ان علوم کا شاید ہی کوئی ایسا مفکر ہو جس نے زبان اور اس کے قواعد پر اپنے خیالات کا اظہار نہ کیا ہو۔ زبان سے متعلق پرانے خیالات وسیع سیاق وسباق میں ملتے ہیں جب کہ انسان کی تہذیب اور روایات کی تاریخ شاہد ہے کہ انسان

نے ہمیشہ زبان کی ابتدا کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ زبانوں کو محفوظ کرنے کے لیے قواعد یں لکھی گئیں جیسے ویدک سنسکرت کی قواعد جیسے پانی نے مکمل کیا۔ سنسکرت زبان کو دو واضح حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ ویدک سنسکرت:

قدیم ہند آریائی دور میں ہندوستان میں جس زبان کا ارتقا ہوا اور جسے فروغ دیا گیا اسے ''سنسکرت'' کہا جاتا ہے۔ سنسکرت کے سب سے قدیم نمونے ہمیں ویدوں کی زبان میں نظر آتے ہیں۔ اسی لیے اس زبان کو ویدک سنسکرت کہا جاتا ہے۔ لیکن چار ویدوں میں پائی جانے والی زبان ویدک سنسکرت میں فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔ سب سے قدیم وید کو ہم ''رِگ وید'' کے نام سے جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ''سام وید، یجر وید اور اتھر وید ہیں۔ ویدک قواعد نویس ''میکڈانل'' کا خیال ہے کہ ''رِگ وید'' ادبی زبان میں تخلیق کی گئی ہے جو بول چال کی زبان سے مختلف ہے۔

۲۔ کلاسیکی یا ادبی سنسکرت:

ویدک سنسکرت کے بعد کلاسیکی سنسکرت کا ارتقا عمل میں آیا۔ سنسکرت میں جب ادبی ادبی تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ کلاسیکی سنسکرت کہلائی۔ دھیریندر ورما کلاسیکی سنسکرت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''یہ مصنوعی یا ادبی زبان تھی''۔ مہابھارت اور راماین جیسی تصانیف جنھیں عالمی سطح پر مقبولیت حاصل ہے کلاسیکی سنسکرت میں ہی تخلیق کی گئی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صوتی اور قواعدی اعتبار سے ویدک سنسکرت اور کلاسیکی سنسکرت میں اختلافات پائے جاتے تھے۔ تاریخی اعتبار سے اردو کا لسانی رشتہ سنسکرت سے استوار ہے۔ اردو بالخصوص قدیم اردو میں سنسکرت کے بے شمار الفاظ پائے جاتے ہیں جنھیں ''تتسم'' کہتے ہیں۔ اردو کے صوتی نظام میں بھی سنسکرت نژاد آوازیں (جنھیں ہندی الاصل آوازیں بھی کہتے ہیں) عربی و فارسی آوازوں سے بہ لحاظ تعداد زیادہ ہیں کیوں کہ بنیادی طور پر اردو ایک ہند آریائی زبان ہے۔

سنسکرت میں قواعد کا زمانہ لگ بھگ ۵۰۰ ق م کا ہے۔ تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل پانی نے ''اسٹادھیائے'' میں سنسکرت کے لسانیاتی مسائل پر غور و فکر سے کام لیا جس کی کوئی اور مثال مشرق و مغرب میں نہیں ملتی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پانی کے عہد میں اس زبان کا نام ''سنسکرت'' نہیں پڑا تھا۔ پانی نے اسے ''بھاشا'' کہا۔ لفظِ سنسکرت جس کے معنی شستہ و شائستہ اور نفیس کے ہیں۔ اسم خاص کے طور پر زبان کے معنی میں بہت بعد میں استعمال ہوا۔

پراکرتوں کا آغاز:

ہند آریائی کے ارتقا کا دوسرا دور وسطی ہند آریائی کہلاتا ہے۔ یہ دور ۵۰۰ ق م تا ۱۰۰۰ عیسوی تک قائم رہتا ہے۔ سنسکرت کے زوال کے بعد پراکرتوں آغاز ہوتا ہے۔ یہ ایک سہل اور سادہ زبان تھی جو کہ بہت مقبول ہوئی۔ سنسکرت کی کوکھ سے پیدا ہو کر مقبول عام ہوئی۔ لسانیات کا یہ عام اصول ہے کہ جب ایک زبان مرنے لگتی ہے تو اس کے بطن سے دوسری زبان کی پیدائش ہوتی ہے جو اسی کی معتبر شکل ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی مردہ ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ ایک نئی زبان معرضِ وجود میں آتی ہے۔ زبانوں کے ارتقا اور فنا کا یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہتا ہے۔ سنسکرت زبان میں تبدیلی کا یہ عمل لسانیات کی مختلف سطحوں پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً تلفظ یا صوتیات کی سطح پر اس زبان میں سب سے بڑی تبدیلی یہ واقع ہوئی کہ اس کے مصمتی خوشے ٹوٹ کر مشدد بن گئے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں۔:

سنسکرت	پراکرت	اردو
پُر	پُت	پوت
ہست	ہتّھ	ہاتھ
دُگدھ	دُوّھ	دودھ
ادی	اَجّ	آج

اس طرح کی بے شمار صوتی تبدیلیاں 'نیز فعلی'' قواعدوں اور بعض نحوی تبدیلیاں سنسکرت زبان میں رونما ہوئیں جن کے نتیجہ میں پراکرتوں کا وجود عمل میں آیا۔ ان لسانی تبدیلیوں کے پس منظر میں ''اردو'' زبان کے ارتقا کی بھی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

اپ بھرنش زبانوں کا آغاز وارتقا:

اپ بھرنش پراکرت سے ہی پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے جہاں جہاں پراکرتیں بولی جاتی ہیں انھیں علاقوں میں اپ بھرنشوں کی پیدایش عمل میں آئی۔ شورسینی اب بھرنش شورسینی پراکرت سے نکلی ہے۔ اس کا علاقہ وہی ہے جو شورسینی پراکرت کا تھا۔ اس کا مرکز متھرا کا علاقہ ہے۔ بعد میں اس کے بطن سے کھڑی بولی، راجستھانی، پنجابی اور گجراتی زبانیں پیدا ہوئیں۔ کھڑی بولی کا تعلق مغربی ہندی سے ہے۔ اسی سے اردو اور ہندی زبانیں وجود میں آئیں۔

ماگدھی اپ بھرنش کا ارتقا ماگدھی پراکرت سے ہوا۔اس کا چلن مشرق کے ایک وسیع خطے میں تھا۔جس میں بنگال، آسام،اڑیسہ اور بہار کے علاقے شامل ہیں۔مغربی ماگدھی اپ بھرنش کی بولیوں کو جارج گریرسن نے ''بہاری'' کا نام دیا ہے۔جس میں تین بولیاں ''میتھلی،مگہی اور بھوجپوری شامل ہیں۔اس کے اثر سے مشرقی ہندی کی بولیاں معروض وجود میں آئیں۔مہاراسٹری اپ بھرنش کا ارتقا مہاراسٹری پراکرت سے ہوا یہ مہاراسٹر کے علاقہ کی زبان تھی۔اس کے بطن سے موجودہ مراٹھی زبان کا ارتقا ہوا۔دھیریندر ورما نے پشاچی اپ بھرنش کا بھی ذکر کیا ہے جو پشاچی پراکرت سے ارتقا پذیر ہوئی ہے۔پشاچی اپ بھرنش سے ہی کشمیری زبان کا وجود سامنے آیا۔

جدید ہند آریائی زبانیں:

۱۰۰۰ء تک پہنچتے پہنچتے اپ بھرنشوں کا خاتمہ ہو چکا تھا۔اوران کی جگہ مختلف بولیوں نے لے لی تھی۔جدید ہند آریائی زبانوں کی تاریخ یہیں سے شروع ہوتی ہے۔اسی عہد میں شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہوتا ہے۔تمام جدید ہند آریائی زبانیں اور بولیاں کسی نہ کسی اپ بھرنش سے پیدا ہوئی ہیں۔اسی لیے ان کے نہ صرف علاقہ متعین ہیں بلکہ بعض علاقائی لسانی خصوصیات بھی ان میں اب تک پائی جاتی ہے۔اردو کا کھڑی بولی سے پیدا ہونا ایک ایسی لسانی حقیقت ہے جسے کسی بھی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

دکنی اردو کے تحریری نمونوں کی تاریخی،تہذیبی اورادبی اعتبار سے بے حد اہمیت ہے۔لیکن ان کی لسانی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔دکنی اردو کا ادبی سرمایہ ہمارے لیے ایک ایسا ٹھوس لسانی مواد فراہم کرتا ہے جس سے زبان اردو کے عہد بہ عہد ارتقا اور اس میں ظہور پذیر ہونے والی لسانی خصوصیات کچھ تو شمالی ہندوستان کی بولیوں کی دین ہیں جن کے خمیر سے یہ زبان تیار ہوئی ہے اور کچھ مقامی لسانی اثرات کا نتیجہ ہیں۔دکنی اردو کی بعض لسانی خصوصیات جن میں صوتی،صرفی،نحوی اور قواعدی خصوصیات شامل ہیں معیاری اردو سے بہت مختلف ہیں اوران کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

عمومی لسانیات:

عمومی لسانیات میں اردو ادب کی اہم اصطلاحات میں سے صوتیات،صرفیات،نحویات اور معنیات وغیرہ کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ماہرین لسانیات نے انھیں اپنے اپنے طور پر برتنے کی کوشش کی ہے۔ممکن ہے کہ آپ ان

اصطلاحات سے واقف نہ ہوں لیکن دوران گفتگو آپ ضرور آوازوں کی ادائیگی کرتے ہوں گے۔ کیوں کہ زبان کا آوازوں سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ کسی بھی زبان کو سمجھنے کے لیے اس کی لسانیاتی اصطلاحات کو سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ اور یہ صوتیات سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں۔ مزید تفصیل کے لیے یہ سمجھیں کہ کسی بھی زبان کے استعمال کے دو حصّے ہوتے ہیں:

۱۔ نفسیاتی ۲۔ میکانکی۔

نفسیاتی حصّہ ان تصوّرات سے عبارت ہے جو اصوات کے ذریعے ترسیل کیے جاتے ہیں۔ اس کا رشتہ براہ راست دماغ سے ہوتا ہے۔ جبکہ میکانکی جزو کا رشتہ اعضائے تکلم سے ہے۔ میکانکی جزو کے تین مرحلے ہوتے ہیں:۔

۱۔ منھ سے آواز نکلنا ۲۔ آواز کا ہوا کی لہروں پر چلنا ۳۔ سامع کے کان کا آواز کی گرفت کرنا

انھیں کی بنا پر صوتیات کی تین قسمیں کی جاتی ہیں:۔

۱۔ تلفظی صوتیات ۲۔ سمعیاتی صوتیات ۳۔ سمعی صوتیات

ہمیں درمیانی منزل سے فی الوقت سروکار نہیں کہ وہ طبعیات کا میدان ہے۔ بات چیت میں متکلّم اور سامع کی حد تک ذیل کی منزلیں ہوتی ہیں۔

۱۔ متکلّم کے دماغ میں کوئی تصوّر آتا ہے۔

۲۔ دماغ ہی میں کچھ آگے بڑھ کر اس خیال کا صوتی پیکر بنتا ہے۔

۳۔ صوتی پیکر کو اعضائے نطق منھ سے باہر نکال دیتے ہیں۔

۴۔ صوت ہوا کی لہروں پر چلتی ہے۔

۵۔ صوت سامع کے سامعہ میں داخل ہوتی ہے۔

۶۔ تھوڑا آگے بڑھ کر اس کا ایک سمعی پیکر تیار ہوتا ہے۔

۷۔ اس سمعی پیکر کو دماغ تصوّر میں ڈھال لیتا ہے۔

اس طرح ایک دماغ کا تصوّر دوسرے دماغ میں پہنچتا ہے۔ دونوں طرف نفسیاتی اور میکانکی دونوں منزلیں آتی ہیں۔

صوتیات اور اُس کی شاخیں:

ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوتیات لسانی آوازوں کا سائنسی مطالعہ ہے۔صوتیات کی اس تعریف میں ''انسانی آواز'' اور ''سائنسی مطالعہ'' کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔انسانی آواز سے ہماری مراد وہ تمام آوازیں ہیں جو الفاظ کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔یہ آوازیں کسی زبان خاص کی نہیں ہوتیں بلکہ دُنیا کی کسی بھی زبان کی ہوسکتی ہیں مُنہ سی نکلی تمام آوازیں لسانی آوازوں میں شمار نہیں کی جاسکتی ہیں۔مثال کی طور پر 'ہنسی' یا 'کھانسی' کی آواز لسانی آواز نہیں ہے۔اس بات کی مزید وضاحت کے لیے کہا جاسکتا کہ ہنسی یا کھانسی یا اس قسم کی تمام دوسری آوازیں اس ضمرے میں شامل نہیں ہوتیں۔

بہرکیف اس تعریف کا دوسرا کلیدی لفظ ''سائنسی مطالعہ'' ہے۔یہ اصطلاح صوتیات کی معروضی مطالعے کی نشاندہی کرتی ہے جس میں آوازوں کی ادائیگی اور ان کی خصوصیات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔یعنی اس مطالعے میں ماہر صوتیات کی ذاتی دلچسپی شامل نہیں ہوتی اور وہ سائنسی اصولوں کی بنیاد پر آوازوں کی ادائیگی کی تفصیلات، خصوصیات، اور درجہ بندی پیش کرتا ہی۔اس مطالعے میں ماہر صوتیات کی ذاتی دلچسپی کا شامل نہ ہونا مطالعے کو معروضی بناتا ہی۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہی کہ علم صوتیات، (علم اصوات) یعنی فونیمیات سے مختلف ہوتا ہی۔ کیونکہ علم اصوات یا فونیمیات میں کسی مخصوص زبان کی صوتی نظام کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔اس کی برعکس صوتیات میں آوازوں کا عام مطالعہ پیش کیا جاتا ہی۔گویا دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتی ہیں کہ صوتیات کا تعلق دنیا کی تمام زبانوں سے ہے۔اور یہ علم آوازوں کے مطالعے کا بنیادی خاکہ پیش کرتا ہے۔ان تفصیلات سی اس بات کا اندازہ ہوجاتا ہی کہ صوتیات کا تعلق زبان کی تقریری شکل سے ہے اس کی مزید وضاحت کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ بولنے سے پہلے مقرِرّ دماغ میں کسی خیال کو جنم دیتا ہے اور پھر اسی خیال کو اظہار کے پیکر میں تبدیل کرنے کے لیے نظام اعصاب کے ذریعے اعضاء تکلم تک پہنچادیا جاتا ہے۔اعضاء تکلّم میں ارتعاش کی وجہ سی صوت پیدا ہوتی ہے یہی اصوات ہوائی لہروں کے وسیلے سے سننے والے کے کانوں سی ٹکراتی ہیں اور اعصاب کے ذریعے صوتی پیغام اس کے دماغ تک پہنچتا ہے جہاں اس کی توضیح ہوتی ہے، جس کو ہم عام زبان میں کہنا اور سننا کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس طرح اور اتنی جلدی ہوجاتا ہے کہ دنیا کی کوء مشین اس پوری پیچیدہ طریق عمل کی برابری نہیں کرسکتی۔گویا صوتیات کی مدد سی ہم آوازوں کی ادائیگی یعنی

آوازوں کی Articulation، آوازوں کی Transmission اور آوازوں کی Perception کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔اسی بنیاد پر صوتیات کی تین شاخوں کی نشاندہی کی جاتی ہی۔

ا۔تلفظی صوتیات ۲۔سمعی صوتیات ۳۔سمعیاتی صوتیات

ا۔ تلفظی صوتیات:

صوتیات کی اس شاخ میں انسانی آوازوں کی ادائیگی کے عمل کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔آوازوں کی ادائیگی کے لیے ہوا کی ضرورت ہوتی ہے جو پھیپھڑوں اور حلق سی ہوتی ہوئی منہ اور ناک سے باہر نکل جاتی ہے۔اس عمل کی دوران اگر زبان، گلے، یا تالو وغیرہ کی مدد سی ہوا کو روکا اور گھٹایا، بڑھایا جائے یا ان راستوں کو چھوٹا بڑا کیا جائے تو مختلف آوازیں پیدا ہوں گی۔لیکن ہر زبان میں یہ آوازیں ایک خاص نظام کی تحت کام کرتی ہیں۔

۲۔ سمعی صوتیاتؔ:

سمعی صوتیات صوتیات کی وہ شاخ ہے جو آوازوں کی سمعی طریقہ کار کا جائزہ پیش کرتی ہے دوسری لفظوں میں سمعی صوتیات میں ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سننے کا عمل کیسے شروع ہوتا ہے اور آوازیں ہمارے ذہنوں پر کیا تاثر قائم کرتی ہیں۔اگر تلفظی صوتیات بولنے کے عمل کا جائزہ پیش کرتی ہے تو سمعی صوتیات سننے کے عمل کو موضوع بحث بناتی ہے۔سننے کے عمل میں ''کان'' کا نمایاں رول ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ سمعی صوتیات میں کان کو تین حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہی۔

ا۔ کان کا باہری حصّہ ۲۔ کان کا درمیانی حصّہ ۳۔ کان کا اندرونی حصّہ

ا۔ کان کا باہری حصّہ:

کھلی آنکھوں سی نظر آنے والے کان کے باہری حصّے سے لے کر کان کے پردیتک کے حصّے کو کان کا باہری حصّہ تصوّر کیا جاتا ہے۔اس حصّے کا بنیادی کام آواز کی لہروں کو یکجا کر کے کان کیدرمیانی حصّے تک پہنچانا ہے۔اس کا دوسرا اہم مقصد کان کے اندر کے حصّے کو محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔

۲۔ کان کا درمیانی حصّہ:

کان کے درمیانی حصّے کی بناوٹ کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ کان کے پردوں تک آتی آواز کی خصوصیات کو یہ اور بہتر بنا دیتی ہے۔اس مقصد کے تحت Tympanic Membrane میں ارتعاش کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جسکی وجہ

سے آواز بہتر ہو جاتی ہے۔

۳۔ کان کا اندرونی حصّہ:

کان کا اندرونی حصّہ آوازوں کی لہر کو Hydraulic Pressure میں تبدیل کر دینے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ آوازوں کا Hydraulic pressure اس طرح Basilian Menbrane تک پہنچتا ہے جس میں سماعی قوت ہوتی ہے۔ اور سننے کا عمل شروع ہوتا۔ سننے کا یہ عمل ہماری ذہن کو متاثر کرتا ہے اور اس طرح ترسیل خیال کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور ہم آوازوں کی فرق سی ''پاپ'' اور ''باپ'' جیسی الفاظ کی درمیان فرق کر پاتے ہیں۔ اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سمعیاتی صوتیات آوازوں کی سننی کی عمل کو موضوع بحث بناتی ہے۔

سمعیاتی صوت:

صوتیات کی دوسری اہم شاخ ''سمعیاتی صوتیات'' ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں سمعیاتی صوتیات میں آوازوں کی Transmission کو موضوع مطالعہ بنایا جاتا ہے گویا "سمعیاتی صوتیات" میں یہ غور کیا جاتا ہے کہ'' آواز'' ہوا کی دوش پر کسی طرح سفر کرتی ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے یہ سمجھیں کہ آوازیں'' خلا'' (Vacuum) میں سفر نہیں کرتیں۔ انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لے جانے کے لیے ایک وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام گفتگو کے دوران آوازیں ''ہوا'' کی مدد سے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچتی ہیں۔ ایسی صورت میں ہوا کو وسیلہ کہا جاتا ہے۔ لیکن ٹیلی فون پر گفتگو کے دوران ''تار'' اور ''برقی لہروں'' کی مدد سے آواز ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچتی ہے۔

اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ صوتیات انسانی آوازوں کا سائنسی مطالعہ ہی۔ جیسا کہ پہلی ذکر آچکا ہی صوتیات کی اس تعریف میں۔ ''انسانی آواز'' (Sound Speech) اور'' سائنسی مطالعہ'' کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسانی آواز سے ہماری مراد وہ تمام آوازیں ہیں جو الفاظ کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ مُنہ سی نکلی تمام آوازیں انسانی آوازوں میں شمار نہیں کی جاسکتی ہیں۔ مثال کی طور پر ہنسی یا کھانسی کی آواز انسانی آواز نہیں ہیں۔ اس تعریف کا دوسرا کلیدی لفظ'' سائنسی مطالعہ'' ہے۔ یہ اصطلاح صوتیات کی معروضی مطالعے کی نشاندہی کرتی ہے جس میں آوازوں کی ادائیگی اور ان کی خصوصیات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

صرفیات:

''صرفیات' علم کا وہ شعبہ ہے جو لفظ کا سائنسی مطالعہ پیش کرتا ہے۔آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ صرفیات نے ایسے اصول اور ایسی تکنیکیں مرتب کی ہیں جن کے ذریعے لفظ کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاسکتا ہے اور اس سے متعلق گوناگوں معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

صرفیات لفظوں کا مطالعہ پیش کرتا ہے۔صرفیات اور نحو (syntax) لسانیات کے مستقل اور بعض اعتبار سے اہم شعبہ ہیں۔صرفیات اگر ایک جانب لفظ کی ساخت کا مطالعہ پیش کرتا ہے تو نحو جملے کی ساخت کو موضوع مطالعہ بناتا ہے۔اس طرح صرف ونحو لسانیات کا وہ اہم شعبے ہیں جن کے ذریعے لفظ اور جملے کا لسانی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ لفظ کے مطالعے کے لیے مختلف النوع طریقہ کار اپنائے جاسکتے ہیں۔ مثلاً اردو لفظ ''کتاب'' اور ''کتابیں'' یا ''کتابوں'' کے درمیان اگر ہم کوءفرق نہیں کرتے ہیں تو یہ طریقہ کار لفظیات کے ضمرے میں آتا ہے۔لیکن اگر ہماری توجہ 'کتاب' سے 'کتابیں' بنانے کے صرفی اصول پر ہوتی ہے تو یہ مطالعہ صرفی یا مارفیمی مطالعہ ہوگا۔

تصریف اور اشتقاق:

تصریف اور اشتقاق صرفی مطالعے کے بنیادی اصول ہیں یعنی لفظوں کا مارفیمی تجزیہ تصریفی اور اشتقاقیا صولوں پر ہوتا ہے۔تصریفی عمل لفظوں کے اجزائے کلام میں تبدیلی کا سبب نہیں بنتا ہے۔یعنی اسم تصریفی عمل کے بعد بھی اسم رہتا ہے۔اسی طرح صفت تصریفی عمل کے بعد بھی صفت رہتی ہے۔اسم میں تعداد جنس اور حالات (Case) میں تبدیلی تصریفی عمل کی مثالیں ہیں۔وضاحت کے لیے یہ چند مثالیں دیکھیے۔

مرغ +ا=	مُرغا	(اسم مذکر)
مرغ +ی=	مُرغی	(اسم مونث)
مرغی+ یاں=	مُرغیاں	(اسم مونث جمع)
مرغی+ یوں=	مُرغیوں	(اسم مونث جمع حالات)

گویا اس لفظ 'مرغ' کو لاحقوں کی مدد سے مذکر سے مونث یا واحد سے جمع بنایا گیا ہے۔چونکہ یہ لاحقے لفظ کے

اجزائے کلام میں کسی قسم کی کوءتبدیلی نہیں پیدا کرتے لہذا انھیں صرفی لاحقہ کہا جائیگا۔

صرفیات لفظوں کا مطالعہ پیش کرتا ہے۔صرفیات اورنحولسانیات کے مستقل اور بعض اعتبار سے اہم شعبہ ہیں۔ صرفیات اگرایک جانب لفظ کی ساخت کا مطالعہ پیش کرتا ہےتونحو جملے کی ساخت کوموضوع مطالعہ بناتا ہے۔

تصریف اور اشتقاق صرفی مطالعے کے بنیادی اصول ہیں یعنی لفظوں کا مارفیمی تجزیہ تصریفی اور اشتقاقی اصولوں پر ہوتا ہے۔تصریفی عمل لفظوں کے اجزائے کلام میں تبدیلی کا سبب نہیں بنتا ہے۔یعنی اسم تصریفی عمل کے بعد بھی اسم رہتا ہے۔جبکہ اس کے برعکس استقاقی عمل لفظ کے اجزائے کلام میں تبدیلی کا سبب بن جاتا ہے۔یعنی اسم صفت میں یا صفت اسم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔یہی سبب ہے کہ اشتقاقیات کو لفظ سازی کا سب سے کارآمد اصول سمجھا جاتا ہے۔سابقے الفاظ کے وہ روپ ہیں جو اصل کی ابتدا میں ملحق کیے جاتے ہیں۔اردو زبان میں اشتقاقی سابقوں کا چلن عام ہے۔اردو میں ''غیر دانش مندانہ،، یا ''غیر جانب دار،، کا استعمال،اشتقاقی سابقے کی عمدہ مثال ہے۔

نئے الفاظ وضع کرنے میں سابقوں کی طرح لاحقے بھی اہم کردار انجام دیتے ہیں۔ان کی مدد سے اسموں کو صفت یا صفتوں کو اسم میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔یا پھر بالکل ہی نئے الفاظ وضع کیے جاسکتے ہیں۔

اشتقاق کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ اصل لفظ کے وسط میں بھی کس مصوتے کا اضافہ کر کے معنی ومفہوم میں حسب ضرورت تبدیلیاں کر لیتے ہیں اردو میں بالعموم ایسی تبدیلیاں مصدر سے اسم فاعل، اسم مفعول یا پھر مجہول کی تشکیل کے لیے مستعمل ہیں۔لفظ وضع کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اصل لفظ میں مصوتوں کی تبدیلی سے نئے الفاظ وضع کر لیے جاتے ہیں۔مثال کے طور پر لفظ مقام میں ق کے بعد مصوتہ 'آ' کا استعمال ہوا ہے۔اور اپنی اس صورت میں یہ لفظ جگہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔لیکن اگر مصوتہ آ کو ء میں تبدیل کر دیا جائے تو یہ لفظ مقام سے مقیم بن جائے گا۔

علم نحو:

صوتی ترتیب کی یہ صورت اس صورت میں اور بھی بامعنی ہو جاتی ہے جب اس میں نحوی ترتیب بھی شامل ہو جاتی ہے۔وضاحت کے لیے ان دو جملوں پر غور کریں:

حامد نے شیر کو مار ڈالا۔ شیر نے حامد کو مار ڈالا۔

ظاہر ہے کہ ان دو جملوں کا معنوی فرق صرف ان دو جملوں کی نحوی ترتیب کے فرق میں چھپا ہوا ہے۔ نحوی ترتیب کے فرق سے یہ دو جملے دو مختلف معنی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوتی یا نحوی ترتیب کا فرق ترسیل کے نئے امکانات ڈھونڈ نکالتا ہے۔

ادب میں شامل ہر زبان کے لئے کُچھ اُصول اور قوانین ہوتے ہیں، جن سے اُس زبان کو صحیح طور سے سیکھا اور استعمال کیا جا سکتا ہے۔ زبان کی ذرستگی اور اُس کی خوبصورتی کو برقرار رکھنے کے لئے اِن قوانین پہ عمل درامد ضروری ہوتا ہے۔ اردو زبان کے بھی کُچھ اُصول ہیں، جنہیں قواعد یا گرامر کہا جاتا ہے۔ ان کے جاننے سے اردو زبان کو ٹھیک ٹھیک بولا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ انگریزی میں قواعد کو Grammar کہا جاتا ہے۔ قواعد یا گرامر، لسانیات کی ایک اہم شاخ ہے اور اِس کا مطالِعہ زبان پہ دسترس حاصل کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

نحو کا لغوی معنی طرف، کنارہ، یا قصد (ارادہ) کرنا ہے اور اس سے مراد وہ علم ہے جس میں ایسے اصول اور قوانین بیان کئے جائیں جن کے ذریعے معرب اور مبنی ہونے کے اعتبار سے اسم، فعل اور حرف کے آخر کے حالات جاننے اور ایک دوسرے کے ساتھ ترکیب دینے کی کیفیت معلوم ہو۔ نحو کا انگریزی متبادل syntax دراصل یونانی لفظ Syntaxis سے بنا ہے جس کے لفظی معنی ترتیب ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علم دراصل لفظی ترتیب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ انسان زبان کی عبارت لکھنے اور گفتگو کرنے میں ہر قسم کی ترکیبی غلطیوں سے محفوظ رہے۔ اس علم کا موضوع کلمہ اور کلام ہے کیونکہ موضوع وہ ہوتا ہے جس میں عوارض ذاتیہ کے متعلق کسی علم میں بحث کی جائے اور علم نحو میں کلمہ اور کلام کے عوارض ہی سے بحث کی جاتی ہے۔ چونکہ نحو کا لغوی معنٰی طرف، کنارہ یا قصد کرنا ہے اور اس علم میں جملے کے الفاظ کے بارے میں ہی بحث ہوتی ہے۔ یعنی نحو جملے کی لفظی ترتیب کے اصولوں کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ جملوں کی لفظی ترتیب میں کسی قسم کی کوء بے ترتیبی نہ رہے۔ اس علم کے ذریعے متکلّم، مفرد، اور مرکب ہونے کے اعتبار سے کلمے اور کلام ہی کا قصد کرتا ہے۔

مشہور ماہر لسانیات ''ہال'' کا خیال ہے کہ ''نحو ان طریقوں کا مطالعہ ہے جن میں الفاظ استعمال ہوتے ہیں جب کہ مارفیمیات ان طریقوں کا مطالعہ ہے جن سے لفظ بنتے ہیں۔'' ہال کی پیش کردہ اس تعریف سے صرف و نحو کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ ماہر لسانیات ہاکیٹ ' کے خیال میں 'نحو میں وہ طریقے شامل ہیں جن سے کلامیں الفاظ اور فوقِ قطعاتی

مارفیموں کو ایک دوسرے کے رشتے میں ترتیب دیا جاتا ہے'' ان تعریفوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ صرف اگر ایک جانب لفظوں کی ساخت کا مطالعہ پیش کرتا ہے تو نحو دوسری جانب جملے کی ساخت کو موضوع گفتگو بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گلیسن کہتا ہے کہ'' جو ترکیبیں تصریف اور اشتقاق کے عمل سے بنتی ہیں انہیں اور بڑی بندشوں میں ترتیب دینے کے اصولوں کو نحو کہتے ہیں۔'' (گلیسن) بلوم فیلڈ گلیسن کے اس خیال سے اتفاق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نحوی ترکیبیں وہ ہیں جن کا کوئی قریبی مشمول یا بندروپ نہیں۔

ان تمام تعریفوں کی روشنی میں موٹے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مارفیمیات لفظ کے ساخت کا مطالعہ کرتی ہے اور نحو لفظ سے بڑی ترکیبوں میں لفظوں کی ترتیب کا۔ لیکن ان دونوں کی حد دو بعض مقامات پر مبہم ہوتی ہیں اور بعض جگہوں پر یہ دونوں شاخیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ انسان جب بولتا ہے اور باتیں کرتا ہے تو اس کے مُنھ سے الگ الگ الفاظ نکلتے ہیں مثلاً:

- خدا۔سب۔کا۔مالک۔ہے

اوپر کی مثال کو غور سے دیکھے۔ اس میں'' خدا" ایک لفظ ہے۔'' سب" دوسرا-،'' کا" تیسرا-،'' مالک" چوتھا اور'' ہے" پانچواں لفظ ہے۔ اب ایک دوسری مثال دیکھے۔

- جمیل۔کتاب۔پڑھتا ہے۔

اس مثال میں'' جمیل'' ایک لفظ (اسم) ہے۔'' کتاب'' دوسرا اور'' پڑھتا ہے'' اس جملے کا تیسرا لفظ ہے۔

ایسے تمام الفاظ جو انسان کے مُنھ سے نکلتے ہیں اُن کا ایک نام رکھا گیا ہے اور اسی کو لفظ کہتے ہیں۔ یاد رکھیں! کہ ہر لفظ آواز سے تشکیل پاتا ہے۔ اوپر کی مثال میں (خدا) ک ءآوازوں سے وضع کیا گیا ہے اس لئے:

خدا ایک لفظ ہے، سب۔دوسرا لفظ، کا۔تیسرا لفظ، مالک-چوتھا لفظ، ہے۔پانچواں لفظ

اسی طرح دوسری مثال میں (جمیل) میں ک ءآوازیں ہیں۔ اس لئے:

جمیل ایک لفظ ہوا، کتاب۔دوسرا لفظ، پڑھتا ہے۔تیسرا لفظ

لفظ وہ آواز ہے جو انسان کے مُنھ سے نکلے جیسے حامد، قلم، دوات وغیرہ۔

اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نَحو، قواعد کا و؟ حصہ ہے جس میں علٰیحد ؟علٰیحد ؟الفاظ کے بجائے الفاظ کی

ترتیب اس کے مجموعوں، مُرَکَّب جُملوں یا عِبارتوں سے بحث کی جاتی ہے۔ نحوی مطالعے میں چونکہ لفظوں کی ترتیب کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے لہذا نحو میں مشمول یا جملوں کے constituents کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ جملوں کے constituents کوئی ب؟ ی دو یا دو سے زیاد؟ پُر معنیٰ؟ لفظوں کا مجموعہ، ہے۔ اِسے انگریزی میں constituents یا Group of meaningfull words کہا جاسکتا ہے۔

معنیات:

لسانیات کے بعض اہم شاخوں میں سے ایک معنیات ہے۔ معنیات لسانیات کا ایک نو احی شعبہ ہے۔ معنیات کے نقطہ نظر سے سلسلہء ؁ کلام کو جن اکایؤں میں بانٹا جاتا ہے وہ 'لفظ' ہے۔ یعنی معنیات لفظ کا مطالعہ پیش کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر لفظ کو اکائی ماننا ہی سب سے اہم عملی قدم ہے۔

بالفاظ دیگر لسانی مطالعے کی پانچ اہم شاخیں ہیں جن میں سے ایک معنیت (Semantics) ہے۔ اسے نواحی شعبہ کہا گیا ہے۔ 1893 عیسوی میں لے سنگ (leising) نے لاطینی فائلا لوجی کی کتاب لکھی تو اسے قواعد کے علیحدہ شعبے کے طور پر پیش کیا لیکن اس کی اہمیت بیسویں صدی کے اوائل سے ہوئی ہے۔ ڈی سا سور کے 'کورس' سے معنیات کا نیا نقطۂ نظر وجود میں آیا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں اس شعبے کو بہت سے نام دیئے گئے۔ Semantics کے علاوہ Sematalogy Semotics,Semology,Semasiology اُن کی ہم معنی اصطلاحوں کو استعمال کیا گیا لیکن 1838 عیسوی میں مشہور ماہر معنیات بریل((Breal کی اصطلاح Semantics کو مستند مان لیا گیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فلسفے اور منطق میں بھی معنیات Semantics نام کی ایک شاخ ہے۔ شاید اس کی وجہ معنی کا فلسفیانہ مباحث سے قربت ہے۔ فلسفیانہ معنیات منطقی اثباتیت (Logical Positivism) کی شاخ ہے۔ 1922 عیسوی میں پولینڈ کے ایک منطقی نے فلسفیانہ معنیات کی اصطلاح استعمال کی اور 1953 عیسوی میں پیرس کی فلسفہ کانگریس نے اس پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ فلسفے کی معنیات میں علامت (Sign) مرموز (Signified) کے تعلق کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ فلسفے کے نظریہ علامات کی ایک شاخ Syntactics ہے جس میں علامات کے باہمی باضابطہ رشتے کو دیکھا جاتا ہے۔ اسی کا مطالعہ زبانوں کے منطقی نحو (Logical Syntex) میں کیا

گیا۔ فلسفے نے زبان پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ زبان کی کئی خصوصیات ایسی ہیں جو اسے غیر منطقی قرار دیتی ہیں۔ مثلاً یہ یکساں اور باقاعدہ نہیں۔ اس کو استحکام نہیں، ہمیشہ تغیر پذیر رہتی ہے نیز اس کے عقلی عناصر میں جذباتی عوامل اس طرح گتھے رہتے ہیں کہ اُنھیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

علم اللغات یا لغاتیات: Semotics

لفظ کے مطالعے کو علم اللغات یا لغاتیا تکہتے ہیں۔ لغاتیات کے دو حصّے ہوتے ہیں۔

۱۔ لفظ کی ساخت کا تجزیہ کرنا یعنی لغاتی مارفیمیات۔

۲۔ لفظ کے معنی بیان کرنا یعنی لغاتی معنیات۔

اس طرح معنیات کا لغاتیات سے گہرا تعلق ہے۔ معنیات کہنے سے زیادہ تر لغاتی معنیات کو مراد لیا جاتا ہے۔

نحوی معنیات:

نحوی معنیات میں جملے کے اجزا، لفظوں کی ترتیب، روپ گروہ صورت، حالت، مطابق، متابعت وغیرہ کے معنوی عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ان ترکیبوں سے جو مفہوم ادا ہوتا ہے اُسے ارتباطی معنی کہتے ہیں۔

خاص لفظ:

یہ خاص معنی کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں اسم اور فعل وغیرہ ہوتے ہیں۔ خاص الفاظ لغاتی معنیات کا کام دیتے ہیں دوسرے الفاظ نحوی معنیات کا۔ اردو میں یہ فرق اس لیے قابل ذکر ہے کہ یہاں پہلی قسم کے الفاظ اکثر عربی فارسی کے ہوتے ہیں اور دوسرے الفاظ ہندی کے۔

معاون یا امدادی لفظ:

ان میں حروفِ جار، شرط وغیرہ امدادی افعال اور بعض ضمیر ہوتے ہیں۔ صفت کو حسبِ موقع کسی گروہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ یہی حال تمیز کا ہے۔ زبان کا سیاق وہ ہے جس کے تحت بعض الفاظ فطرۃً ایسے ہیں کہ اُن کے معنی دوسرے الفاظ کے سیاق کے بغیر بیان ہی نہیں کیے جا سکتے۔ مثلاً فلاں۔ بہتر۔ افضل۔ کے، کہ، بالا، Last, so-and-so

بات چیت کا سیاق اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ انگریزی لفظ man بالمقابل جانور کہیں زیادہ اہم معنی رکھتا ہے بہ نسبت man بالمقابل woman کے۔ ذیل کے جملوں میں نظر کے مختلف معنی دیکھیے۔

۱۔ رات کو پڑھنے سے نظر کمزور ہو جاتی ہے۔ ۲۔ ع۔ میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک۔

۳۔ ع۔ خرد کے پاس نظر کے سوا کچھ اور نہیں۔ ۴۔ اہلِ نظر معاشی انصاف کے معنی سمجھ سکتے ہیں۔

۵۔ اف وہ نظریں! ۶۔ عرشی صاحب غالبیات میں اچھی نظر رکھتے ہیں۔

ان جملوں اور مصرعوں میں سیاق تقریر کی وجہ سے نظر کے مختلف معنی متعیّن ہوتے ہیں۔ گویا سیاق معنی کو پورا سلسلہ قائم کر دیتا ہے۔ سایق ہی لفظ کے معنی یا جذباتی لباس وضع کرتا ہے۔ جذباتی رُخ معنی میں خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ ہم ایک شخص کو پیار اور نرمی سے کہیں کہ 'یہاں سے جایئے۔' دوسرے کو تلخی سے چلا کر کہیں 'یہاں سے جایئے، تو دونوں میں معنی میں کمی بیشی ہوگی۔ سیاق کے بغیر مفرد لفظ کے معنی محض نظریاتی ہوتے ہیں۔ لسانیات میں اسی لیے لفظ پر جملے کو فوقیت ہے چناچہ بعض نے آزاد روپ کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ جو جملے کے طور پر استعمال ہو سکے۔

اطلاقی لسانیات

اطلاقی لسانیات وہ طریقہ عمل ہے جس میں پیشوارانہ ضرورتوں کے لیے مستعمل زبان کو توجہ کا مرکز بنایا جاتا ہے۔ یہ صرف لسانیات کی شاخ نہیں بلکہ ایک نیم خودمختار بین العلوم مطالعہ ہے جو صرف سوشیالوجی، تعلیم، انتھروپولوجی، ثقافتی مطالعہ اور نفسیات پر انحصار نہیں کرتا بلکہ انھیں تقویت پہنچاتا ہے۔ زبان کے سائنسی طریقے سے مطالعے کو ''لسانیات'' کہتے ہیں۔ لسانیات چونکہ ایک سائنس ہے اسی وجہ سے لسانیاتی مطالعے میں دیگر سائنسی علوم کی طرح تنظیم، وضاحت، واقعیت، معروضیت اور خوداختیاری پائی جاتی ہے۔ لسانیات میں زبان کا مطالعہ زبان کے لئے ہی کیا جاتا ہے اور زبان ہی لسانیات کا بنیادی مواد اور موضوع ہے۔ لسانیات میں زبان کا مطالعہ بحیثیت زبان دو مخصوص زاویوں سے کیا جاتا ہے جن کو تاریخی لسانیات اور توضیحی لسانیات کہا جاتا ہے۔ آپ لسانیات کی تفصیلات سے واقف ہیں کیونکہ آپ نے ان کے متعلق پڑھا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں تاریخی لسانیات کا براہ راست تعلق زبان کے آغاز، تشکیل اور عہد بہ عہد ارتقاء سے ہے۔ اس کو دوزمانی مطالعہ بھی کہتے ہیں۔ اس میں ان تبدیلیوں کو موضوع بنایا جاتا ہے جو مختلف ادوار میں ایک زبان میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس توضیحی لسانیات میں کسی ایک دور یا کسی مخصوص عہد کی زبان کی موجودہ اور مقررہ حالت کا مطالعہ کیا جاتا ہے اسے زبان کا زمانی مطالعہ کہتے ہیں۔ صوتیاتی علم الاصوات، صرفیات، نحویات اور معنیات اس کی پانچ شاخیں ہیں۔

اطلاقی لسانیات ان معنوں میں لسانیات سے مختلف ہے کہ اس میں زبان کے ارتقائی سفر کا مطالعہ نہیں پیش کیا جاتا بلکہ علم لسانیات کا اطلاق دیگر مروجہ علوم وفنون پر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اطلاقی لسانیات، لسانیات کی وہ شاخ ہے جو علم لسانیات کا اطلاق دیگر مروجہ علوم وفنون پر کرتی ہے۔ تدریس زبان' علم اللغات' علم ترجمہ 'اسلوبیات، ساختیات، ردتشکیل، اطلاقی لسانیات کی وہ اہم شاخیں ہیں جن میں لسانی مواد کا مطالعہ وتجزیہ خالص لسلانیاتی نقطہ نظر سے کیا جاتا ہے۔

اطلاعیات یا کمپیوٹر لسانیات

"اطلاعیات یا برقیاتی لسانیات" اطلاقی لسانیات کی ایک اہم شاخ ہے۔ زبانوں میں کمپیوٹر کے استعمال کی تاریخ ۱۹۶۸ء سے شروع ہوتی ہے جب ڈیوڈ پیکارڈ (Packard) نے ہارورڈ سائنس سینٹر کے لیے پہلے ایسے تحقیقی آلات تیار کیے جو مخطوطہ شناسی کے لیے کارآمد تھے۔

برقیاتی تحقیق سے ایک نئی ثقافت وجود میں آنے کے ساتھ ساتھ نئے طریقے اور مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ اینڈرسن اور کانوکا کی کتاب E-research;Methods strategies and issues حال ہی میں سامنے آئی ہے جس میں برقیاتی تحقیق کے خاکے/منصوبے/تجویز کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں سب سے اہم بات برقیاتی تحقیق کے مستقبل پر تحریر کردہ باب ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مستقبل میں جغرافیہ اور زبان دونوں خاصی اہمیت رکھیں گے۔ نیٹ کی رفتار، معلومات اخذ کرنے کے متنوع طریقے اور معیاری قدر بے حد اہم ثابت ہوگی۔

اُردو اور دیگر زبانوں کے کمپیوٹری قواعد کی تیاری اور تذکیر وتانیث کی صورتیں، اس کے امکانات، افعال اور مصادر کا تقابل، واحد جمع کے انداز، امالے کے مقامات، سابقے اور لاحقے، جملوں کی ساخت، معروف اور مجہول جملوں کا دوسری زبانوں سے موازنہ، سادہ جملے اور مرکب جملے کی تقطیع، جملوں کی تبدیلی کے اُصول، صَوت وحرف کا تغیر، اصطلاح سازی کے امکانات اور اصول وغیرہ یعنی کمپیوٹری لسانیات۔

اُردو اطلاعیات کو اسی حوالے سے تیز تر ہونا ہوگا۔ مثلاً مشین پر پڑھے جانے والے مواد/سکیننگ/لفظ کاری کی مقدار میں اضافہ کرنا، قاموس اور انسائیکلوپیڈیا، مقامات، افراد اور موضوعات کے حوالے سے کوائف میں وسعت ہونی چاہیے، جیسے وکی پیڈیا (Wikipedia) ہے۔ اس میں دس لاکھ مضامین ہیں۔ اس کا اردو ایڈیشن بھی آچکا ہے لیکن اس

میں مقالات کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں۔ اس کے لیے گوگل (Google) کا اُردو سرچ انجن بھی موجود ہے۔ OWL (ویب انٹالوجی لینگوئج) جیسے کوائفیے بہت تیزی سے ابھر رہے ہیں۔

اصطلاح سازی:

''اصطلاحیں دراصل اشارے ہیں جو خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن کو منتقل کر دیتے ہیں۔'' اور اصطلاح سازی ان اصطلاحوں کو وضع کرنے کا طریقہ ہے۔ تمام علوم کی اصطلاحات کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا جاتا ہے۔ علوم کے مخففات اصطلاح کے ساتھ قوسین میں دے دیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی اصطلاح مختلف علوم میں ایک ہی معنی میں مستعمل ہوئی ہے تو وہ تمام علوم مخففات کی صورت میں اس اصطلاح کے ساتھ یکجا قوسین میں دے دیے جاتے ہیں۔ الفاظ کا املا جامعہ عثمانیہ کی روایت املا کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ جن الفاظ کو دو طرح سے لکھا جاتا ہے وہ دونوں صورتیں اُس مجموعے میں شامل کر دی جاتی ہیں تاکہ ورثے کی عکاسی ہو سکے۔ اشخاص، مقامات اور کیمیائی مرکبات کے ناموں کو اردو میں ان کے تلفظ کی ادائیگی کی غرض سے اس مجموعے میں شامل کیا جاتا ہے۔

اس حقیقت سے تو آپ واقف ہیں کہ علم کے ہر شعبہ کی اپنی اصطلاحیں ہوتی ہیں۔ جو زبان اور اس شعبہ کے رشتے کو واضح کرتی ہیں۔ اصطلاح سازی کی تمام تر توجہ اس شعبہ کے علمی مباحث پر ہوتی ہے۔ جبکہ اس کی دوسری جانب لسانیات کی مدد سے اصطلاح سازی ایسے اصول اور ایسی تکنیکیں مرتب کرتی ہے جن کے ذریعے اس شعبہ کے نظریاتی مباحث کو لسانی جامہ پہنا دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصطلاح سازی کو اطلاقی لسانیات کا ایک اہم شعبہ مانا جاتا ہے۔

اسلوبیاتی تنقید:

اسلوبیاتی تنقید اطلاقی لسانیات کی ایک اہم شاخ ہے۔ اسلوبیاتی تنقید کے ابتدائی نمونے روسی ہیئت پسندوں اور امریکہ میں نئے تنقیدی زاویہ نگاہ پیش کرنے والوں کے یہاں ضرور ملتے ہیں البتہ اسلوبیاتی طریقہ نقد کی باضابطہ ابتداء ۱۹۶۰ء میں ٹامس اے سیبوک کی تالیف Style in Language کی اشاعت کے بعد ہوتی ہے۔ اس کے بعد زبان کے تخلیقی امکانات لسانیاتی تجزیوں کے تحت کیے جانے لگے۔ اسلوبیات کو اسلوبیاتی تنقید اور لسانیاتی اسلوبیات بھی کہا جاتا ہے اور ''یہ ادبی اسلوبیات سے ان معنوں میں مختلف ہے کہ یہ اطلاقی لسانیات کی ایک شاخ ہے او راس کا انداز تجزیاتی ہے جب کہ ادبی اسلوبیات کا تعلق ادبی تنقید سے ہے اور مزاج کے اعتبار سے یہ تشریحی ہے''۔

اسلوبیاتی تنقید کا طریقہ کار کسی فن پارے کا لسانیاتی تجزیہ کے علاوہ اس کے اسلوبیاتی خصائص کا تعین بھی ہے چونکہ اسلوبیاتی تنقید کسی فن پارے کا اسلوبیاتی تجزیہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اسلوبیاتی خصائص بھی تلاش کرتی ہے اس وجہ سے یہ صحیح معنوں میں کسی ادیب یا شاعر کی تعینِ قدر میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

ادبی زبان کے مطالعے کی شروعات اگر چہ اس صدی کی تیسری دہائی میں ''آئی اے رچرڈز'' کے ذریعہ ہوئی۔ البتہ اسلوبیاتی طریقہ نقد کی ابتداء ۱۹۶۰ء کے بعد ہی ہوئی ہے۔ موجودہ دور میں جن ناقدین نے اسلوبیاتی طریقہ نقد کو عام کرنے میں پہل کی ان میں ٹامس اے سیبیوک، روجر فاؤلر، اسٹیفن المن، نلز-ایرک-انکوسٹ، ڈیوڈ کرسٹل کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اُردو ادب میں نئی تنقید کا آغاز صحیح معنوں میں مغربی تنقید کے زیر اثر ہوا ہے اور جدید وقدیم ادبی سرمائے کا جائزہ نفسیاتی، جمالیاتی، عمرانی تنقیدی نظریات کے تحت کیا جانے لگا اور ان تنقیدی نظریات کے تحت سماجی حقائق، اقدار، مصنف کے ذاتی کوائف، فضاء، ماحول کے تناظر میں ایک فن پارے کا جائزہ لیا جاتا تھا جس سے متن کی حیثیت ثانوی بن کر رہ گئی تھی اور ایک فن پارے کے اسلوبیاتی خصائص پردہ خفا میں رہ گئے تھے۔ اس کمی کو اب اسلوبیاتی طریقہ نقد کے ذریعے حتی الامکان پورا کیا جانے لگا۔

اطلاقی لسانیات وہ طریقہ عمل ہے جو پیشوارانہ ضرورتوں کے لیے مستعمل زبان کو توجہ کا مرکز بناتی ہے۔ یہ صرف لسانیات کی شاخ نہیں بلکہ ایک نیم خود مختار بین العلوم ایسا مطالعہ ہے جو سوشیالوجی، تعلیم، انتھروپولوجی، ثقافتی مطالعہ، اور نفسیات پر انحصار نہیں کرتا بلکہ انھیں تقویت پہنچاتا ہے۔

اکائی نمبر 3: ارتقائے لسان کے مدارج

ہر زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ الفاظ اور ان کی تعریف یا مشتقات۔ ''لفظ'' محض ایک بیان مجرد ہے کسی چیز کا یا صوتی تصویر ہے کسی حالات یا عمل یا چیز کی، جیسے ہونا، کرنا، آدمی۔ کسی چیز کی صوتی تصویر کو اسم کہتے ہیں اور حالات یا عمل کی صوتی تصویر کو فعل۔ ''اشتقاق'' وہ آواز یا جز ولفظ یا آوازوں کا مجموعہ ہے جو کسی لفظ کی مجرد شکل کو وقت یا مقام یا کسی اور علاقہ کے خیال سے تبدیل کرتا ہے۔

مختلف زبانوں میں لفظ اور اشتقاق کے ارتباط میں فرق پایا جاتا ہے اور یہ فرق محض پہلو بہ پہلو رکھنے سے لے کر مکمل آمیزش یا اختلاط کی شکل تک میں نمایاں ہوتا ہے۔ یعنی بعض زبانوں میں مشتقات صرف لفظ کے پہلو بہ پہلو لکھ دیئے جاتے ہیں اور بعض میں لفظ سے اس طرح مخلوط ہو جاتے ہیں کہ ان سے الگ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس ارتباط کی نوعیت اور مقدار ہی سے زبانوں کے مختلف خاندانوں میں تقسیم کرنے اور ہر خاندان کی خصوصیتوں کی حد بندی کرنے کا سب سے اہم اور سب سے آسان طریقہ سمجھ میں آجاتا ہے۔

پہلی اور ابتدائی حالت میں اشتقاق خود ہی اپنی جگہ پر لفظ کے طور پر استعمال ہو سکتا ہے اور اس کا تعلق کسی حیثیت سے مادہ سے نہیں ہوتا جیسا کہ چینی یا دوسری یک جزوی زبانوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ پہلے لفظ سے جو خیال پیدا ہوتا ہے اس میں ترمیم کرنے کے لیے پہلے لفظ کے آگے اور پیچھے الفاظ بڑھا دیتے ہیں۔ یہ سابقے یا لاحقے کے طور پر جوڑے ہوئے لفظ جب تنہا استعمال ہوتے ہیں تو ان کے کچھ اور معنی ہوتے ہیں حالاں کہ دونوں جگہ ان کی شکل ایک سی ہوتی ہے۔

جیسے چینی زبان میں ''سے'' ظاہر کرنے کے لیے شروع میں ''سونگ'' لگا دیتے ہیں جو خود اپنی جگہ پر ایک فعل ہے اور جب تنہا الگ استعمال ہوتا ہے تو ''پیچھے چلنا'' کے معنی دیتا ہے اور بعد میں ''لائی'' لگاتے ہیں جس کے معنی ہیں ''آنا'' اس طرح ''سونگ پیکنگ لائی'' کے معنی ہوئے ''پیکنگ سے'' یہاں ہمیں یہ نظر آیا کہ پیکنگ کے اصل خیال

میں ترمیم کرنے کے لیے ہم نے دو حرف بڑھا دیے جو خود اپنی جگہ الفاظ ہیں اور یہاں آ کر (صرف معنی بدلتے ہیں) شکل تبدیل نہیں ہوتی۔

چینی زبان میں زمانہ یا طور نہیں ہوتا۔ زمانے کا اختلاف حروف سے ظاہر کیا جاتا ہے جو آزادانہ خود فعل کی حیثیت سے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً ''تسیو'' کے معنی ہیں ''چلنا''

''تسیو لیاوے = (چلنا + ختم) = چلا

''ای کی تسیو'' کر چکا + ختم + چلنا = چلا گیا ہے

زبان کی یہ بالکل ابتدائی حالت ہے اس کے بعد جو منزل آئی وہ یہ بھی کہ مشتقات نے الگ الفاظ کی حیثیت سے اپنے معنی کھو دیے اور صرف مشتق کی حیثیت سے باقی رہے۔ اس کی مثال چینی میں بھی ملتی ہے جیسے جزو، تائی، جب کسی لفظ سے ملتا ہے تو اضافی حالت کا پتہ دیتا ہے اور انگریزی لفظ ''of'' یعنی ''کا'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی الگ کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

اس دوسری منزل کی زبانوں میں ترکی کی مثال سب سے زیادہ واضح ہے۔ اس زبان میں مشتق اصل لفظ یعنی مادّہ میں جڑا ہوا ہوتا ہے لیکن اس طرح کہ اصل مادّہ یا بنیادی لفظ اور اس کے مشتقات آسانی سے الگ الگ کیے جا سکتے ہیں اور ایک ہی نظر میں اس لفظ کے عناصر ترکیبی نظر کے سامنے آ سکتے ہیں۔ مثلاً ترکی جزو ''اِن'' (جو پہلے چاہے کوئی معنی رکھتا ہو اب بے معنی ہے) اگر کسی اسم سے ملحق کر دیا جائے تو اس کے معنی ''کا یا کی'' ہو جاتے ہیں۔ ''اِہ یا اَہ'' کا مطلب ہو جاتا ہے ''کو یا تک'' اور ''دان'' کے معنی ہو جاتے ہیں ''سے''

اب ''اِو'' جس کے معنی ہیں ''مکان'' اس کی مختلف شکلیں دیکھیے:۔ ''اِوان'' (ایک مکان کا) ''اِواِہ'' (ایک مکان تک) اور ''اِووان'' (ایک مکان تک) اگر اس بنیادی لفظ ''اِو'' میں ہم ''لر'' جوڑ دیں (جو علامت جمع ہے) تو ''اِولر'' بن جاتا ہے جس کے معنی ہیں ''نکانات'' اور اس کی گردان بھی یو ہی ہو سکتی ہے ''اِولرِان'' (مکانوں کا) ''اِولراہ'' (مکانوں تک یا کو) اور ''اِولَروان'' (مکانوں سے)۔

اس آخری لفظ کی تحلیل کرتے ہوئے ترکی زبان کا مخصوص مزاج واضح ہو جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر جزو غیر مبدل اور نا قابل اشتقاق ہے لیکن ان غیر تغیر پزیر جزوں کے مجموعے سے وہ تمام ضروری مطالب اور ان کی ترمیمات

حاصل کی جاسکتی ہیں اس طرح ''اِو'' (مکان) ''لَر'' (بہت سے)، ''اِم'' (میرے) اور ''وان'' (سے) کا مطلب ہوا ''میرے مکانات سے''۔

یہی اصول فعل کے سلسلے میں بھی کام کرتا ہے۔اس طرح ''اولماک'' کے معنی ہیں ''ہونا'' اور یہ لفظ صیغہ حال میں ''اولورام'' یعنی ''میں ہوں'' ہو جاتا ہے۔یہ اس طرح بنا ''اول'' (ہونا) ''ار'' (ہونا) ''ار'' (علامت زمانہ حال) اور ''ام'' (میرا) اس کے لفظی معنی ہوئے ''ہونا میرا'' یا ''میرا ہونا''

زبان کی تیسری شکل یا قسم وہ ہے جس میں ان الفاظ نے جو اشتقاقی حیثیت سے استعمال کیے جاتے تھے نہ صرف اپنی اصلی شکل کھودی ہے بلکہ ایسے مکمل طریقہ سے اس بنیادی لفظ سے ملحق ہو گئے ہیں جس کے مفہوم کو وہ اور معین کرتے تھے کہ وہ ایک ہی لفظ معلوم ہوتا ہے اور جنھیں اس کے بعد بغیر مفصل اور مکمل تجزیہ کے الگ الگ لفظوں کی حیثیت سے پہچاننا مشکل ہے۔یہ شکل تصریفی یا اشتقاقی کہلاتی ہے۔

یونانی میں ''ای می'' کی تصریف یوں ہو سکتی ہے ''ای'' بہ معنی ''ہونا'' اور ''می'' بہ معنی ''میں'' ہیں لیکن ''اِی'' ''ہونے'' کے معنی میں ایک الگ لفظ کی حیثیت سے یا ''می'' ''میں وغیرہ'' کے معنی میں نہیں پائے جاتے۔''ای'' سنسکرت لفظ ''اس'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

لاطینی میں ''سم'' یوں ہے ''س'' بہ معنی ''ہونا'' ''م'' بہ معنی میں اور ''یو'' جو ایک مشہور خفیف حرف علت ہے صرف تلفظ کی آسانی کے لیے شامل کر دیا گیا ہے۔گاتھک میں ''اِم'' کے معنی ہیں ''ہے'' یہ حقیقتاً ''اِی'' بہ معنی ''ہونا'' اور ''م'' بہ معنی ''میں''۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان زبانوں میں سے کسی زبان میں بھی سابقے یا لاحقے اپنی اصل شکل میں نہیں پائے جاتے بلکہ ان میں سے بعض میں بنیادی لفظ (مادّہ) بھی کسی نہ کسی طرح تبدیل ہو گئے ہیں۔

ضمیر واحد حاضر کی شکلوں میں سنسکرت میں ''اسی'' ہے جو ''اس'' اور ''سی'' کا مجموعہ ہے لیکن ''تو'' کے معنی میں ''اسی'' کا لفظ الگ حیثیت سے نہیں ملتا۔یونانی میں ''ای''، ''اسی'' کا بدل ہے جس کا تجزیہ یوں ہوگا ''اس'' بہ معنی ''ہونا'' اور ''سی'' بہ معنی ''تو'' ان دونوں میں سے کوئی الگ زندہ لفظ نہیں ہے۔مندرجہ ذیل شکلوں میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں بہت واضح طور پر نظر آتی ہیں۔

سنسکرت۔۔۔۔۔''بھاری''۔۔''بھار'' (اٹھانا) ہلکا اَتا کیدی لفظ ہے اور ''تی'' (وہ)

یونانی۔۔۔۔۔۔۔۔''فیری ائی''۔۔''فیر''(اٹھانا)ی تاکیدی اور''آئی''بہ جائے''تی''(وہ)
لاطینی۔۔۔۔۔۔۔''فَیر ٹ''۔۔''فیر''(اٹھانا)ٹ(وہ)

انگریزی لفظ''بیرتھ''(Beareth)ہے جواب بدل کر(Bears)ہوگیا ہے۔Sاورضمیر he میں کیا تعلق ہے یہ ایک طویل تجزیہ کے بعد ہی ظاہر ہوسکتا ہے۔جب زبانیں اشتقاقی منزل سے تحلیل منزل میں آتی ہیں تو اس میں عبوری حالت میں زبانوں کی نوعیت میں زبردست تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔جب لفظوں کے باہمی تعلقات کا اظہار خود لفظوں کے اندر تغیر ہوجانے سے ہوتا ہو تو یہ بحث بیکار ہوجاتی ہے کہ جملے میں لفظوں کی جگہ کیا ہے۔لیکن جب لفظوں کے خاتمے بالکل معین ہی نہ ہوں اس وقت معنی کا پتہ سوا اس کے اور کس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ لفظوں کی ترتیب پر نگاہ رکھی جائے۔

ہندوستان میں مختلف قسم کی زبانیں ہیں اور جس کے مطالعہ کو عام بنانا ان خیالات کے اظہار سے مقصود ہے،اُس کے لیے اس بات کا علم ضروری ہے کہ ان زبانوں کو ان کے ارتقا کے لحاظ سے کس طرح تقسیم کیا جائے۔جس قسم کے مطالعہ کو عام کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ جن زبانوں کا اب تک مطالعہ نہیں ہوا ہے وہ کیوں کر سمجھی جائیں اور کس طرح لکھی جائیں اور ظاہر ہے کہ مطالعہ کرنے والے کو خود اپنی ہی معلومات اور مواد پر بھروسہ کرنا پڑے گا۔

ہم نے اوپر زبان کے ارتقا کے چار زینے یا چار دور قرار دیے ہیں:

۱۔ نحوی یا ترکیبی جیسے۔۔چینی

۲۔ جوڑنے والا طریقہ جیسے۔۔ترکی

۳۔ اشتقاقی یا تصریفی جیسے۔۔سنسکرت،یونانی،سامی

۴۔ تحلیلی جیسے۔۔جدید انگریزی اور فرانسیسی

تورانی خاندان کے قسم اول،دوم اور سوم کی زبانوں میں سے اکثر وبیشتر پہلے درجہ ارتقا میں رکھی جاسکتی ہیں(تھائی،لوہیتی اور ہمالیائی مُراد ہیں)یہ اصول بالکل بے کھٹکے پیش کیا جاسکتا ہے کہ ان میں کی بہت زیادہ ترقی یافتہ زبانیں بھی دوسرے یعنی جوڑنے والے طریقے سے آگے نہیں بڑھی ہیں۔اور جو ابھی بالکل دور وحشت میں ہیں یا کم ترقی یافتہ ہیں،وہ نحوی یا ترکیبی دور میں ہیں ان قسموں کی ادبی زبانوں کا علم تو ہے جو ابھی ابتدائی حالت میں ہیں لیکن ان

کے متعلق تحقیقات کی ضرورت ہے۔ زبان کا جو مطالعہ کرنے والا یہ کرتا ہے کہ ان زبانوں کی کسی نئی بولی کو نحوی یا ترکیبی قرار دیتا ہے اور ہر جزو کو مع ایک الگ مفہوم کے الگ لفظ سمجھتا ہے وہ غالباً کوئی غلطی نہیں کرتا۔

دوسرے یا جوڑنے والے درجہ میں تورانی خاندان کی چوتھی اور پانچریں قسم کی زبانیں یعنی کول اور دراوڑی شامل ہیں۔ کول زبانوں میں واضح اور کالص جوڑ پائے جاتے ہیں۔ دراوڑی میں آوازوں کے میل ملانے اور خوش آوازوں کا رجحان اتنا زیادہ پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات ان کی شکل اشتقاقی ہو جاتی ہے۔ جو بات پہلی تیم قسم کی تورانی زبانوں کے لیے کہی گئی وہی یہاں بھی صحیح ہے کہ جو بہت زیادہ ترقی یافتہ ہیں وہ ابھی مشکل ہی سے اشتقاقی درجہ تک پہونچی ہیں اور جو غیر ترقی یافتہ ہیں وہ جوڑنے والے درجہ ہی میں ہیں۔

ندجرمانی خاندان کی زبانوں (پہلی اور دوسری قسم) کا تعلق اشتقاقی یا تیسرے دور سے ہے، فرق صرف یہ ہے کہ بعض ترقی یافتہ بولیوں میں آخری یا تحلیلی دور کی زبانوں سے مشابہت پائی جاتی ہے۔

جو اصول ہم دو دفعہ بیان کر چکے ہیں وہی یہاں بھی منطبق ہوتا ہے یعنی جو زیادہ ترقی یافتہ زبانیں ہیں وہ تو تقریباً تحلیلی حد میں پہونچ گئیں ہیں، جو کم ترقی یافتہ ہیں وہ اشتقاقی دور سے آگے نہیں بڑھی ہیں۔ مثلاً نیم سنسکرت فعلی شکلیں فعل کی حالتوں کو ظاہر کرنے والے خاتمے بنگالی میں ہندی کے مقابلے میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس لیے گویا بنگالی، ہندی کے مقابلے میں کم ترقی یافتہ ہوئی۔ ہندی بعض حیثیتوں سے تحلیلی ہے۔ اور بنگالی تقریباً یکسر اشتقاقی۔

اس مختصر سے خاکہ میں بہت سی مثالیں شامل کرنا یا تمام زبانوں کے اجزائے ترکلام میں تحلیلی شکلیں تلاش کرنا ناممکن ہے۔ عام حیثیت سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سب سے زیادہ اشتقاقی بنگالی، آسامی، اُڑیہ اور گجراتی ہیں اور سب سے کم ہندی اور مراٹھی، جہاں تک عربی آمیز ہندی یا اردو کا تعلق ہے یہ تقریباً بالکل اسی طرح تحلیلی ہیں جیسے انگریزی۔

اکائی نمبر 4: لسانیاتی اصطلاحات

اصطلاح سازی

کسی بھی زبان کی ثروت مندی اور ترقی کے معیار کا اندازہ اس کے ذخیرہ الفاظ کی وسعت، ہمہ گیری اور تنوع سے ہوتا ہے۔ اس ذخیرہ الفاظ کو کسی خاص ترتیب سے منضبط کرنے اور ان کے معنی کے مختلف مفاہیم کی وضاحت کا نام لغت نویسی ہے۔ لغت نویسی کا علم زبان کی حفاظت، اس کے استعمال کی معیار بندی اور فصاحت کے معیار کو طے کرنے میں از حد معاون ہوتا ہے۔ علم لغت (Lexicology) اور لغت نویسی (Lexicography) کو سمجھنا بجا طور پر زبان کے عروج و زوال کے عوامل کو سمجھنا ہے۔

اصطلاحاتِ جامعہ عثمانیہ ہمارا علمی سرمایہ اور تاریخی ورثہ ہیں۔ اس سرمائے میں برِصغیر کے بہترین دماغوں کی انفرادی و اجتمائی کاوشیں شامل ہیں۔ سقوطِ حیدرآباد (دکن) کے فوراً بعد جب اُردو ذریعہ تعلیم کی روایت وہاں ٹوٹی تو یہ سارا علمی سرمایہ بھی منتشر ہو گیا۔ اب جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے اس سرمائے کی شیرازہ بندی دشوار تر ہوتی جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ یہ سرمایہ یکجا و مرتب کر کے شائع کیا جاتا تا کہ یہ نہ صرف محفوظ ہو جاتا بلکہ وضع اصطلاحات کی جدید روایت سے بھی اس کا رشتہ قائم ہو جاتا۔ اسی خیال کے پیشِ نظر میں نے کم و بیش اس سارے سرمائے کو کھنگالا جو پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ تھا اور اسے یکجا کر کے مرتب کر دیا۔ ''فرہنگِ اصطلاحات جامعہ عثمانیہ'' انہی اصطلاحات کا مجموعہ ہے۔

ہر زندہ زبان میں، علوم و فنون کی سطح پر، اصطلاحات بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر مروج معنی کے علاوہ کسی لفظ کے کوئی اور معنی صلاح و مشورہ سے مقرر کر لیے جائیں تو معنی کی اس صورت کو اصطلاح کہتے ہیں۔ اس طرح کئی تصورات یا خیالات اس لفظ سے ادا ہو جاتے ہیں۔ پروفیسر وحیدالدین سلیم نے اسی لئے کہا تھا کہ ''اصطلاحیں دراصل اشارے ہیں جو خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن کو منتقل کر دیتی ہیں۔''

وضع اصطلاحات

جامع اللغات میں اصطلاح کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے۔کوئی لفظ یا جملہ جس کے کوئی خاص معنی کوئی گروہ ٹھہرائے کسی حرفے یا فن کا خاص لفظ۔یعنی اصطلاح وہ لفظ ہے جس کے خاص معنی ٹھہرائے جاتے ہیں اور یہ معنی کوئی گروہ ٹھہراتا ہے۔اسی تعریف کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اصطلاح کوئی عام لفظ نہیں ہے بلکہ اس کی نوعیت مختلف ہے۔اس کا مطلب ایک ایسا لفظ یا مجموعہ الفاظ ہے جو کسی تصور، شے، نظریے یا کیفیت کو مختصر لیکن جامع طور پر بیان کر سکے۔یہ عموماً عام بول چال کے الفاظ سے مختلف ہوتی ہے۔اس میں کفایت اور صحت کا اصول کارفرما ہوتا ہے۔یعنی کم سے کم الفاظ میں کسی شے کی صحیح نوعیت اور ماہیت بیان کی جاسکتی ہے۔

اصطلاح ایک خاص لفظ یا لفظوں کا مجموعہ ہے۔کم سے کم الفاظ میں کسی شے کا بیان ہے۔درجہ بالا دونوں تعریفوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اصطلاح ایک خاص لفظ ہوتا ہے جو کسی شے یا نظریے کو مختصراً بیان کرتی ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اصطلاح محض ایک لفظ پر مشتمل ہوگی؟

چند حروف میں کسی خاص موضوع/شعبہ یا علم کو بیان کرنا اصطلاح کہلاتا ہے۔اصطلاح لفظ بھی ہوسکتی ہے۔ترکیب، حرف، ہندسہ، مخفف، سرنامیہ اور ترخیمہ بھی۔اصطلاح کسی خاص موضوع یا شعبہ کے متعلق خاص لفظ ہے جو ترکیب، حرف اور ہندسہ بھی ہوسکتا ہے۔اصطلاح کی درجہ بالا تعریفوں کو دیکھنے کے بعد اصطلاح کی یہ تعریف سامنے آتی ہے۔

جب کسی شعبے کے ماہرین کسی شے، نظریے یا کیفیت کو مختصراً بیان کریں وہ اصطلاح کہلائے گی۔اصطلاح کسی ترکیب، حرف، ہندسہ، مخفف، سرنامیہ اور ترخیمہ کی شکل میں ہوسکتی ہے'۔ اردو زبان میں اصطلاحات کا سرمایہ اس وقت پیدا ہونے لگا جب یہ زبان علوم وفنون کے اظہار کا ذریعہ بنی۔اس دور میں اصطلاحات عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت سے لی جاتی تھیں جبکہ اٹھارویں صدی عیسوی میں مسلم سلطنت کا سورج غروب ہوا اور انیسویں صدی میں انگریزی تسلط قائم ہوا تو ایک مسئلہ درپیش ہوا، جب جدید مغربی علوم کو اُردو زبان کے ذریعے حاصل کرنے کا عمل شروع ہوا۔اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ اصطلاحات اور وضع اصطلاحات نے ایک نئی اہمیت اختیار کر لی۔

اردو زبان میں اصطلاحات کا سرمایہ تو اسی وقت سے پیدا ہونے لگا تھا جب یہ زبان علوم وفنون کے اظہار کا وسیلہ بنی تھی۔اس دور میں اصطلاحات عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت وغیرہ سے لی یا وضع کی جاتی تھیں لیکن اٹھارویں

صدی عیسوی میں جب برِصغیر میں مسلم سلطنت کا سورج غروب ہونے لگا اور انگریزی تسلط رفتہ رفتہ قائم ہو کر انیسویں صدی میں پوری طرح مستحکم ہو گیا تو ایک نیا مسئلہ اس وقت سامنے آیا جب جدید مغربی علوم کو اردو زبان کے ذریعے حاصل کرنے کا عمل شروع ہوا۔ اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ اصطلاحات اور وضع اصطلاحات کے مسئلے نے ایک نئی اہمیت اختیار کر لی ہے۔ دہلی کالج 1825ء میں قائم ہوا اور اسی کے ساتھ وہاں ''دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' قائم ہوئی اور درسی کتب کی ضرورت کے لئے کیمیا، نباتیات، معدنیات، ریاضی، طب، علم ہندسہ اور دوسرے علوم کی اصطلاحات وضع ہوئیں۔ حیدر آباد میں شمس الامراء نے انگریزی و فرانسیسی سے اہم کتابوں کے اردو تراجم میں گہری دلچسپی لی اور 1834-1850ء کے درمیان بیس سے زیادہ سائنسی کتابیں اردو میں منتقل ہوئیں۔ سرسید احمد خان نے 1863ء میں ''سائنٹفک سوسائٹی'' قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ جدید سائنسی کتابوں اور امہات الکتب کو اردو میں ترجمہ کرایا جائے۔ وضع اصطلاحات کی کمیٹی بھی اسی زمانے میں سرسید احمد خان نے قائم کی۔ رڑکی انجینئرنگ کالج میں 1856ء سے 1888ء تک ایک ذریعہ تعلیم اردو زبان تھی۔ درسی ضروریات کے پیشِ نظر وہاں بھی متعدد کتابیں اردو میں لکھیں اور اصطلاحات وضع کی گئیں- اسی طرح آگرہ میڈیکل کالج میں بھی ایک ذریعہ تعلیم اردو تھی۔ وہاں بھی طلبہ کی درسی ضرورت کے لئے کتابیں لکھیں اور جدید طبی اصطلاحات اردو میں وضع کی گئیں۔ یہ ذخیرہ آج بھی پاکستان کے بعض کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ سائنٹفک سوسائٹی مظفر پور (1868ء) نے بھی فلکیات، معدنیات، طبیعات، جغرافیہ اور فنِ تعمیر وغیرہ پر بہت سی کتابیں نہ صرف ترجمہ کرائیں یا لکھوائیں بلکہ وضع اصطلاحات کے کام کو بھی آگے بڑھایا۔ شاہان اودھ غازی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر کے دورِ حکومت میں بہت سی علمی و سائنسی کتابیں اُردو میں ترجمہ ہوئیں اور بہت سی نئی اصطلاحات وجود میں آئیں۔ 1865ء میں انجمنِ پنجاب لاہور میں قائم ہوئی اور اس کے تحت بھی ترجمہ و اصطلاحات کا بہت سا قابلِ ذکر کام ہوا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی سے اردو تراجم اور علمی اصطلاحات کی روایت کو اب کم و بیش دو سو سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں یہ روایت اس وقت زیادہ اہمیت اختیار کر گئی جب 26 اپریل 1917ء کو نظام دکن نے یہ فرمان جاری کیا کہ ''اپنی تخت نشینی کی یادگار میں سلطنت آصفیہ میں ایک جامعہ کے قیام کا حکم دیتا ہوں جس کا نام جامعہ عثمانیہ ہوگا''۔ اس فرمان کے چار مہینے کے اندر اندر 14 اگست 1917ء کو شعبہ تالیف و ترجمہ کا قیام عمل میں آ

گیا جس کے سربراہ مولوی عبدالحق مقرر کیے گئے۔اس شعبے کا مقصد یہ تھا کہ جامعہ عثمانیہ کے لئے ضروری کتب لکھوائی اور ترجمہ کرائی جائیں تا کہ یہ کتابیں جامعہ عثمانیہ میں درسی کتب کے طور پر استعمال کی جاسکیں۔ جامعہ عثمانیہ کا آغاز 1919ء میں ہوا۔ جامعہ عثمانیہ میں ذریعہ تعلیم چونکہ اردو زبان تھی، اس لیے وہاں اصطلاح سازی کے کام میں بھی غیر معمولی اور مفیدِ مقصد پیش رفت ہوئی۔ دارالترجمہ کے صاحبان علم نے، جیسا کہ مولوی وحید الدین سلیم نے لکھا ہے، وضع اصطلاحات کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر اور بحث ومباحثہ کر کے کثرت رائے سے طے کیا کہ ''انگریزی زبان کی اصطلاحیں بجنسہ یا کسی تغیر وتبدل کے ساتھ اردو زبان میں نہ لی جائیں بلکہ علمی اصطلاحات کے مقابلے میں اردو علمی اصطلاحات وضع کی جائیں۔اس مرحلے پر پہنچ کر اصطلاح سازوں کے دو گروہ ہو گئے۔ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ تمام اصطلاحی الفاظ عربی زبان سے بنائے جائیں۔دوسرے گروہ کی رائے یہ تھی کہ اصطلاحات کے وضع کرنے میں ان تمام زبانوں کے لفظوں سے کام لینا چاہیے جو اُردو زبان میں بطور عنصر کے شامل ہیں اور ان لفظوں کی ترکیب میں اردو گرامر سے مدد لینی چاہیے۔دوسرے گروہ نے یہ بھی کہا کہ اردو زبان آریائی خاندان سے اور عربی زبان سامی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔دونوں خاندانوں میں الفاظ بنانے کے جدا جدا قاعدے ہیں۔آریائی خاندانوں کی زبانوں میں مرکب الفاظ بنانے اور ان الفاظ سے پھر نئے الفاظ مشتق کرنے کے خاص قائدے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کی ضرورت علمی اصطلاحات میں پیش آتی ہے۔سامی زبانوں میں یہ قائدے نہیں ہیں، اس لئے مرکب الفاظ اور ان کے مشتقات کو معرب کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔دوسرے گروہ نے اس بات پر زور دیا کہ کسی زبان کی ترقی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اس زبان میں غیر زبانوں کے بے شمار الفاظ بجنسہ یا بعد تصرف کے داخل کر لیے جائیں۔زبان کی ترقی اسی حالت میں ترقی کہلا سکتی ہے جب کہ وہ الفاظ جو اس میں بڑھائے جائیں اس زبان کی قدرتی ساخت اور اس کی اصلی گرامر کے مطابق بنائے گئے ہوں اور ان الفاظ کے مادے ان زبانوں سے لیے گئے ہوں جو اس زبان کی بناوٹ اور ترکیب میں قدرتی طور سے دخل رکھتی ہوں۔اردو زبان میں علمی اصطلاحات وضع کرنا اسی حالت میں اس کی ترقی کا باعث ہوسکتا ہے جب کہ اس اصول پر عمل کیا جائے۔اردو زبان کے قدرتی عنصر عربی، فارسی اور ہندی زبانیں ہیں۔ہمارے لئے سہولت اسی میں ہے کہ ہم جو نئے الفاظ بنائیں ان کے مادے تینوں زبانوں سے لیں اور اپنی زبان کو ترقی کی اس طبعی رفتار پر آگے بڑھنے دیں جس پر وہ آج تک چلتی رہی ہے۔جامعہ عثمانیہ کی وضع اصطلاحات کمیٹی نے دونوں نقطہ نظر پر غور کر کے

یہ منظور کر دیا کہ اردو زبان میں جو علمی اصطلاحیں وضع کی جائیں ان کے لئے الفاظ عربی، فارسی اور ہندی سے بے تکلف لیے جائیں مگر الفاظ کی ترکیب دیتے وقت اردو زبان کی گرامر کا لحاظ رکھا جائے۔''

مولوی عبدالحق نے، وضع اصطلاحات کے ان اصولوں کو جو دارالترجمہ میں کثرت رائے سے منظور ہوئے، یوں بیان کیا ہے:

(1) اصطلاحات وضع کرنے کے لئے ماہران زبان اور ماہران فن دونوں کا ایک جا ہونا ضروری ہے۔ اصطلاحات کے بنانے میں دونوں پہلوؤں کا خیال رکھنا لازم ہے تاکہ جو اصطلاح بنائی جائے وہ زبان کے سانچے میں بھی ڈھلی ہو اور فن کے اعتبار سے بھی ناموزوں نہ ہو۔

(2) اردو زبان چونکہ کئی زبانوں سے مرکب ہے اس لیے اصطلاحات علمیہ کے لئے اُن سب زبانوں سے الفاظ وضع کر سکتے ہیں جن سے اُردو زبان مرکب ہے یعنی عربی، فارسی، ہندی، ترکی سے بلاتکلف مدد لی جاسکتی ہے۔

(3) الفاظ کے اشتقاق و ترکیب میں کسی خاص زبان کے قائدے کی پابندی نہ کی جائے اور جو الفاظ مستعمل ہیں اُن کی مثال کا لحاظ رکھا جائے اور جو لفظ زیادہ موزوں معلوم ہو اسے اختیار کیا جائے لیکن ان الفاظ سے، اشتقاق یا ترکیب کے ذریعے سے، جو الفاظ بنائے جائیں گے وہ اردو نحو کے قائدے کے بموجب ہوں گے یعنی لفظ دوسری زبان سے لے سکتے ہیں لیکن اس کے نحوی قاعدے نہیں لے سکتے۔

(4) حتی الامکان مختصر الفاظ وضع کیے جائیں جو اصل مفہوم یا اس کے قریبی معنوں کو ادا کر سکیں۔

(5) جس طرح اگلے زمانے میں اپنی زبان یا غیر زبانوں کے اسما سے مصادر بنائے جاتے تھے مثلاً بدلنا، قبولنا، بخشنا وغیرہ اسی طرح اب بھی ضرورت کے وقت اسما سے افعال بنا لینا جائز ہے چنانچہ اسی اصول سے برق سے برقانا وغیرہ بنا لیے گئے۔ اسی طرح مصادر بنانے سے الفاظ مختصر بن جاتے ہیں اور اشتقاق میں آسانی ہوتی ہے

(6) جو اصطلاحات قدیم سے رائج ہیں انھیں برقرار رکھا جائے۔

(7) ایسے انگریزی اصطلاحی الفاظ جو عام طور پر رائج ہو گئے ہیں یا ایسے الفاظ جن کے اشتقاق مشکوک ہیں یا ایسی اصطلاحیں جو موجدوں یا تحقیق کرنے والوں کے نام پر رکھی گئی ہیں انھیں بدستور رہنے دیا جائے کیونکہ نہ ان کا ترجمہ ہو سکتا ہے اور نہ ترجمہ کی ضرورت ہے۔

(8) اصطلاحیں آسان اور عام فہم بنائی جائیں اور ایسے مادوں سے وضع کی جائیں جو زبان میں عام طور سے رائج ہیں۔ اشتقاق و ترکیب میں کہیں اپنی زبان کے قوائد کو ترک نہیں کیا جائے خواہ لفظ عربی ہو یا فارسی یا کسی اور زبان کا۔

ان تمام اصولوں پر عمل درآمد بھی ہوا اور انحراف بھی۔ عملِ ارتقا اسی کا نام ہے۔ اصطلاحات سازی کا یہ کام چونکہ باقاعدگی کے ساتھ تدریسی ضرورت کے لئے کیا گیا تھا اس لئے یہ اصطلاحات یکسانیت کے ساتھ درسی کتب میں استعمال کی گئیں اور تیزی سے ان کا رواج اور چلن عام ہو گیا۔ اردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنا کر جامعہ عثمانیہ نے طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کر دیا اور وہ رکاوٹ دور کر دی جو انگریزی زبان کی اجنبیت کی وجہ سے طلبہ عام طور پر محسوس کرتے تھے اور علم کے بنیادی تصورات ان کے ذہن میں پوری طرح صاف اور واضح نہیں ہوتے تھے۔ اردو ذریعہ تعلیم نے جس طرح طلبہ کے ذہن کو روشن اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کیا اس بات سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں۔ جامعہ عثمانیہ میں اردو زبان کے ذریعے تعلیم دینے کا ایک بڑا تجربہ کیا گیا تھا اور یہ تجربہ اتنا کامیاب ہوا کہ روشن ذہن، اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی ایک بڑی تعداد، اپنی بھرپور تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ، میدانِ عمل میں اتر آئی۔

جامعہ عثمانیہ کی اسی روایت کے زیر اثر ہندوستان اور پاکستان میں اصطلاحات سازی کا کام مختلف علمی و تعلیمی اداروں میں ضرور ہوتا رہا جن میں انجمن ترقی اردو ہند، انجمن ترقی اردو پاکستان، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، ادارہ تالیف و ترجمہ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی، جامعہ پنجاب، مجلسِ زبانِ دفتری پنجاب، مرکزی اردو بورڈ (حال اردو سائنس بورڈ)، زرعی یونیورسٹی فیصل آباد، پاکستان سائنٹفک سوسائٹی کراچی، مجلس ترقی ادب لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، اردو اکیڈمی بہاولپور، سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، سرحد ٹیکسٹ بک بورڈ، بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ اور مقتدرہ قومی زبان کے نام ممتاز و قابلِ ذکر ہیں۔ ان علمی اداروں اور بہت سے نجی ناشرین کی اصطلاحات کے علاوہ ''اردو اصطلاحات سازی (کتابیات)'' میں 134 لغات اصطلاحات اور 320 ایسی کتابوں کا ذکر ملتا ہے جن کے آخر میں فرہنگ اصطلاحات دی گئی ہیں۔

اہم نکات:

☆ کسی بھی زبان کی ثروت مندی اور ترقی کے معیار کا اندازہ اس کے ذخیرہ الفاظ کی وسعت، ہمہ گیری اور تنوع سے ہوتا ہے۔

☆ علم لغت (Lexicology) اور لغت نویسی (Lexicography) کو سمجھنا بجا طور پر زبان کے عروج و زوال کے عوامل کو سمجھنا ہے۔

☆ کوئی لفظ یا جملہ جس کے کوئی خاص معنی کوئی گروہ ٹھہرائے کسی حرفے یا فن کا خاص لفظ۔ یعنی اصطلاح وہ لفظ ہے جس کے خاص معنی ٹھہرائے جاتے ہیں اور یہ معنی کوئی گروہ ٹھہراتا ہے۔

☆ دہلی کالج 1825ء میں قائم ہوا اور اسی کے ساتھ وہاں ''دہلی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' قائم ہوئی اور درسی کتب کی ضرورت کے لئے کیمیا، نباتیات، معدنیات، ریاضی، طب، علم ہندسہ اور دوسرے علوم کی اصطلاحات وضع ہوئیں۔

☆ حیدر آباد میں شمس الامراء نے انگریزی و فرانسیسی سے اہم کتابوں کے اردو تراجم میں گہری دلچسپی لی اور 1834-1850ء کے درمیان بیس سے زیادہ سائنسی کتابیں اردو میں منتقل ہوئیں۔

☆ سرسید احمد خان نے 1863ء میں ''سائنٹفک سوسائٹی'' قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ جدید سائنسی کتابوں اور امہات الکتب کو اردو میں ترجمہ کرایا جائے۔ وضع اصطلاحات کی کمیٹی بھی اسی زمانے میں سرسید احمد خان نے قائم کی۔

☆ اصطلاحات وضع کرنے کے لئے ماہران زبان اور ماہران فن دونوں کا ایک جا ہونا ضروری ہے۔ اصطلاحات کے بنانے میں دونوں پہلوؤں کا خیال رکھنا لازم ہے تاکہ جو اصطلاح بنائی جائے وہ زبان کے سانچے میں بھی ڈھلی ہو اور فن کے اعتبار سے بھی ناموزوں نہ ہو۔

☆ اردو زبان چونکہ کئی زبانوں سے مرکب ہے اس لیے اصطلاحات علمیہ کے لئے اُن سب زبانوں سے الفاظ وضع کر سکتے ہیں جن سے اُردو زبان مرکب ہے یعنی عربی، فارسی، ہندی، ترکی سے بلا تکلف مدد لی جا سکتی ہے۔

☆ الفاظ کے اشتقاق و ترکیب میں کسی خاص زبان کے قائدے کی پابندی نہ کی جائے اور جو الفاظ مستعمل ہیں اُن کی مثال کا لحاظ رکھا جائے اور جو لفظ زیادہ موزوں معلوم ہو اسے اختیار کیا جائے لیکن ان الفاظ سے، اشتقاق یا ترکیب کے ذریعے سے، جو الفاظ بنائے جائیں گے وہ اردو نحو کے قائدے کے بموجب ہوں گے یعنی لفظ دوسری زبان سے لے سکتے ہیں لیکن اس کے نحوی قاعدے نہیں لے سکتے۔

☆ حتی الامکان مختصر الفاظ وضع کیے جائیں جو اصل مفہوم یا اس کے قریبی معنوں کو ادا کر سکیں۔

☆ جس طرح اگلے زمانے میں اپنی زبان یا غیر زبانوں کے اسما سے مصادر بنائے جاتے تھے مثلاً بدلنا، قبولنا، بخشنا

وغیرہ اسی طرح اب بھی ضرورت کے وقت اسما سے افعال بنالینا جائز ہے چنانچہ اسی اصول سے برق سے برقانا وغیرہ بنا لیے گئے۔اسی طرح مصادر بنانے سے الفاظ مختصر بن جاتے ہیں اور اشتقاق میں آسانی ہوتی ہے

☆ جو اصطلاحات قدیم سے رائج ہیں انھیں برقرار رکھا جائے۔

☆ ایسے انگریزی اصطلاحی الفاظ جو عام طور پر رائج ہو گئے ہیں یا ایسے الفاظ جن کے اشتقاق مشکوک ہیں یا ایسی اصطلاحیں جو موجدوں یا تحقیق کرنے والوں کے نام پر رکھی گئی ہیں انھیں بدستور رہنے دیا جائے کیونکہ نہ ان کا ترجمہ ہو سکتا ہے اور نہ ترجمہ کی ضرورت ہے۔

☆ اصطلاحیں آسان اور عام فہم بنائی جائیں اور ایسے مادوں سے وضع کی جائیں جو زبان میں عام طور سے رائج ہیں۔اشتقاق وترکیب میں کہیں اپنی زبان کے قوائد کو ترک نہیں کیا جائے خواہ لفظ عربی ہو یا فارسی یا کسی اور زبان کا۔

کسی بھی زبان کی ثروت مندی اور ترقی کے معیار کا اندازہ اس کے ذخیرہ الفاظ کی وسعت، ہمہ گیری اور تنوع سے ہوتا ہے۔اس ذخیرہ الفاظ کو کسی خاص ترتیب سے منضبط کرنے اور ان کے معنی کے مختلف مفاہیم کی وضاحت کا نام لغت نویسی ہے۔لغت نویسی کا علم زبان کی حفاظت، اس کے استعمال کی معیار بندی اور فصاحت کے معیار کو طے کرنے میں از حد معاون ہوتا ہے۔علم لغت (Lexicology) اور لغت نویسی (Lexicography) کو سمجھنا بجا طور پر زبان کے عروج وزوال کے عوامل کو سمجھنا ہے۔

اصطلاحاتِ جامعہ عثمانیہ ہمارا علمی سرمایہ اور تاریخی ورثہ ہیں۔اس سرمائے میں برِصغیر کے بہترین دماغوں کی انفرادی واجتمائی کاوشیں شامل ہیں۔سقوطِ حیدرآباد (دکن) کے فوراً بعد جب اُردو ذریع؟ تعلیم کی روایت وہاں ٹوٹی تو یہ سارا علمی سرمایہ بھی منتشر ہو گیا۔ہر زندہ زبان میں، علوم وفنون کی سطح پر، اصطلاحات بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔اگر مروج معنی کے علاوہ کسی لفظ کے کوئی اور معنی صلاح ومشورہ سے مقرر کر لیے جائیں تو معنی کی اس صورت کو اصطلاح کہتے ہیں۔ اس طرح کئی تصورات یا خیالات اس لفظ سے ادا ہو جاتے ہیں۔ پروفیسر وحید الدین سلیم نے اسی لئے کہا تھا کہ ''اصطلاحیں دراصل اشارے ہیں جو خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن کو منتقل کر دیتی ہیں۔''

اکائی نمبر5: شعری لسانیات

تاریخی لسانیات اور توضیحی لسانیات کے علاوہ لسانیات کی ایک اور شاخ اطلاقی لسانیات بھی ہے۔شعری لسانیات اطلاقی لسانیات کی ایک اہم شاخ ہے۔تخلیقی اظہار کے رشتے کو واضح کرنے میں شعری لسانیات کی تمام تر توجہ زبان اور ادب کے تخلیقی اظہار کی طرف ہوتی ہے۔جبکہ اس کی دوسری جانب لسانیات صرف زبان کی باریکیوں کے موضوع پر گفتگو کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ شعری لسانیات کو اطلاقی لسانیات کا ایک اہم شعبہ مانا جاتا ہے۔'شعری لسانیات' کی جو یائی اور تشکیل الفاظ کی ماہیت اور حقیقت کو سمجھنے کا عمل ہے۔الفاظ کی سرگذشت میں ذہن انسانی کی وہ تمام مساعی مضمر ہیں جن سے انسان،یعنی حیوان بے نطق،رطب اللسان بن گیا ہے۔حیات انسانی کا سارا کاروبار الفاظ کی حرکت کا محتاج ہے۔معاشرتی سطح پر الفاظ کی حرکت افہام وتفہیم کا وسیلہ ہے لیکن لسانی فنون میں ان کا منصب بدل جاتا ہے۔کہ لسانی فنون الفاظ سے روبرو ہونے کا عمل ہے۔فن کار الفاظ کو جامد اکائیوں کے طور پر قبول کرنے کے بجائے، ان کے ذریعے حقیقت سے رابطہ استوار کرتا ہے،وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ الفاظ کے ذریعے حقیقت کی تشکیل کرتا ہے۔فن کار اور بالخصوص شاعر کے لیے لفظ سب سے بڑی حقیقت ہے۔زندگی شاعر کے لیے ایک لسانی حقیقت ہے،جس کے معاملات اور واقعات اس کے لیے لسانی پیرایوں میں رونما ہوتے ہیں۔الفاظ کی حرکت انسان کے لیے اتنی ہی ناگزیر ہے جتنا کے تنفس۔

زندگی کو الفاظ اور الفاظ کو زندگی میں منتقل کرنے کے عمل کی تشخیص اور تفتیش 'شعری لسانیات' کی تخلیق کا محرک ہے۔شعری لسانیات کی استعاراتی تشکیل کے بغیر موثر شاعری کی تخلیق اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔میکانکی طور پر مصرعے موزوں کرنا یا لکیر کا فقیر ہونا کچھ مشکل نہیں۔شعری لسانیات کی عقلی تحلیل ایک غیر استعاراتی کاروائی ہے مگر کیا کیا جائے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔شعری لسانیات کا آخری مگر سب سے اہم مقصد نئی اردو شاعری کی تحسین اور افہام کے لیے ایک ایسا تناظر مہیا کرنا ہے جس سے دیدہ ودانستہ طور پر چشم پوشی برتی جارہی ہے یا جس کے ادراک کا ہر کس وناکس کو یارا نہیں ہے۔

اردو میں ابتدائی تنقیدی نمونے اردو شاعری کے قدیم تذکروں میں ضرور ملتے ہیں اور ان کو تاثراتی تنقید کے ابتدائی نمونے کہا جا سکتا ہے البتہ ہمارے یہاں یہ سلسلہ نقد کا باضابطہ آغاز آزاد، حالی اور شبلی کے ذریعے ہوا ہے۔ اردو ادب میں نئی تنقید کا آغاز صحیح معنوں میں مغربی تنقید کے زیر اثر ہوا ہے اور جدید و قدیم ادبی سرمائے کا جائزہ نفسیاتی، جمالیاتی، عمرانی تنقیدی نظریات کے تحت لیا جانے لگا اور ان تنقیدی نظریات کے تحت سماجی حقائق، اقدار، مصنف کے ذاتی کوائف، فضاء، ماحول کے تناظر میں ایک فن پارے کا جائزہ لیا جاتا تھا جس سے متن کی حیثیت ثانوی بن کر رہ گئی تھی اور ایک فن پارے کے شعری یا فنی خصائص پردہ خفا میں رہ گئے تھے۔ اس کمی کو اب شعری لسانیات کے ذریعے حتی الامکان پورا کیا جانے لگا۔

اردو میں ادبی شعریات کے مطالعے کے ابتدائی نمونے تذکروں میں ضرور ملتے ہیں اور بیان و بلاغت پر موجود کتابوں میں اشعریات کے مطالعے کے لئے ہدایات بھی درج ہیں البتہ یہ روایتی نوعیت کے ہیں۔ اس مطالعے کا ترقی یافتہ روپ پروفیسر محی الدین قادری زور کے یہاں نظر آتا ہے۔ بقول پروفسر نصیر احمد خان ''انہوں نے قدیم روِش سے ہٹ کر ایک نیا اندازِ فکر اپنایا ہے۔ جو ان کی کتاب ''اردو کے اسالیب بیان'' میں نظر آتا ہے۔ اس کتاب کو اسلوب اور شعریات کے مطالعے کے روایتی اندازِ فکر اور سائنٹفک طریقہ کار کی درمیانی کڑی کہا جا سکتا ہے۔

پروفیسر مسعود حسین خاں کثیر الجہات شخصیت کے مالک ہیں وہ بحیثیت ماہر لسانیات، لسانیاتی محقق، اسلوبیاتی نقاد اور منفرد قلم کار ہیں۔ ان کی کتاب ''مقدمہ تاریخ زبان اردو'' نے تاریخِ لسانیات میں کافی مقبولیت حاصل کی ہے جو ژرفِ نگاہ، تحقیقی کدو کاوش اور نتیجہ خیزی کی عمدہ مثال ہے۔ اردو میں شعری لسانیات کا طریقہ کار اپنا کر انہوں نے اس نئے تنقیدی دبستاں کی بنیاد ڈالی ہے اس سلسلے میں وہ اپنے ایک مضمون ''لسانیاتی اسلوبیات اور شعر'' میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''اردو میں شعری اسلوب کے لسانیاتی تجزیے کا سلسلہ راقم الحروف کے ان
> مضامین سے شروع ہوتا ہے جو اُس نے 1960ء میں امریکہ سے واپسی پر
> لکھنا شروع کئے۔''

وہ دراصل ادبی تنقید کے طریقہ سے صحیح طور پر مطمئن نہیں تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے شعر و ادب کے حوالے سے کئی اہم مضامین لکھے ہیں جن میں مطالعہ شعر۔ (صوتیاتی نقطہ نظر سے) کافی وقیع اور معلومات افزاء مضمون ہے۔ ان

کے نزدیک اسلوبیاتی مطالعہ دراصل مطالعہ ادب کا جامع اور کلی تجزیہ ہے۔

لسانیاتی مطالعہ شعر، دراصل شعریات کا جدید ہیتی نقطہ نظر ہے لیکن یہ اس سے کہیں زیادہ جامع ہے۔اس لئے کہ شعری حقیقت کا کلی تصور پیش کرتا ہے۔ ہیئت وموضوع کی قدیم بحث اس نقطہ نظر سے بے معنی ہوجاتی ہے۔ یہ کلاسیکی نقد ادب کے اصولوں کی تجدید کرتا ہے اور قدماء کے مشاہدات اور اصطلاحاتِ ادب کو سائنسی بنیاد عطا کرتا ہے۔لسانیاتی مطالعہ شعر صوتیات کی سطح سے اُبھرتا ہے اور ارتقائی صوتیات، تشکیلات، صرف ونحو اور معنیات کی پر پیچ وادیوں سے گزرتا ہوا ''اسلوبیات اور شعری لسانیات'' پر ختم ہوتا ہے۔

مسعود حسین خان نے اسلوبیاتی مطالعہ شعر وشاعری کے علاوہ نثر کا بھی پیش کیا ہے۔شعر کے اسلوبیاتی مطالعے کے حوالے سے ان کے مضمون ''مطالعہ شعر صوتیاتی نقطہ نظر سے'' کے علاوہ کلامِ غالب کے قوافی وردیف کا صوتی آہنگ، کلام غالب کی صوتی آہنگ کا ایک پہلو، فانی کا صوتی آہنگ، اقبال کا صوتی آہنگ قابل ذکر مضامین اور نثری اسلوب کے تجزیے کے حوالے سے غالب کے خطوط کی لسانی اہمیت، خواجہ حسن نظامی کی زبان اور اسلوب بھی قابل ذکر مطالعے ہیں۔

اس فہرست میں ڈاکٹر مغنّی تبسم کی تحقیقی تصنیف اردو نقادوں کی توجہ کی اس لئے زیادہ محتاج ہے کہ انہوں نے ایک غزل گو کی شخصیت اور اس کے کلام کے طلسم کو کھولنے میں ان تمام حربوں کو استعمال کیا ہے جس سے تاحال کوئی نقاد مسلح ہوسکتا ہے۔ یہ حربے ابھی تک یورپی نقادوں کی گرفت میں تھے۔اردو میں پہلی بار وسیع پیمانے پر ان کا استعمال ڈاکٹر مغنّی نے کیا ہے۔

فانی کی شاعری کا جس شرح وبسط اور مہارت کے ساتھ انہوں نے اسلوبیاتی تجزیہ کیا ہے۔وہ فانی کے اسلوب کی شناخت ہے جو ہر لحاظ سے قابل قدر ہے۔''حقیقت تو یہ ہے کہ اس شرح وبسط کے ساتھ اُردو کے کسی ادیب یا شاعر کا اسلوبیاتی تجزیہ تاحال نہیں کیا گیا ہے'' ڈاکٹر مغنی تبسم نے اس کے علاوہ اپنی کتاب ''آواز اور آدمی'' میں غالب، میر اور چند دوسرے شاعروں کی شعری قدروں اور اسلوب کا تجزیہ پیش کیا ہے۔شعری لسانیات کی روایت میں پروفیسر محمد حسن خاں کے کارناموں کا انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ادبی تنقید اور شعری لسانیات کی مدد سے اسلوب کی پہچان کراتے ہیں۔ان کے دو مضامین غالب کا شعری آہنگ اور غالب کا نثری آہنگ اس سلسلے کے اہم مطالعے ہیں۔ وہ اپنے تجزیوں

میں غالب کے شعری پیکر کی خصوصیات کو بڑے سلیقہ سے ابھارتے ہیں۔

اردو میں شعری لسانیات کی روایت میں علی رفاد فتیحی کا بھی اہم نام ہے۔انہوں نے اپنے مضامین میں نظری او رعملی پہلوؤں سے اسلوبیات اور شعریات پر سیر حاصل طریقے سے گفتگو کی ہے۔انہوں نے شعری لسانیات کے اصول وضوابط اور مبادیات کے علاوہ موجودہ دور میں اس کے امکانات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔''مسجد قرطبہ کا اسلوبیاتی مطالعہ ''ایک ایسا شعری تجزیہ ہے جو نہ صرف اُردو تنقید میں اہم اضافہ کہا جاسکتا ہے بلکہ اقبالیاتی ادب میں نئے مطالعات کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے۔

شعری لسانیات ہماری موجودہ تنقیدی تاریخ میں اس طرح در آئی ہے کہ اس سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں۔ چونکہ شعری لسانیات کے زاویہ پر نظر رکھنے والوں نے نہ صرف اس کی مبادیات، اصول وضوابط، جہات وابعاد بلکہ وقتاً فوقتاً موجودہ دور میں اس کے امکانات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

بہر کیف شعری لسانیات اطلاقی لسانیات کی ایک شاخ ہے اور اس کا انداز تجزیاتی ہے جب کہ ادبی لسانیات کا تعلق ادبی تنقید سے ہے اور مزاج کے اعتبار سے یہ تشریحی ہے۔شعری لسانیات کا طریقہ کار کسی فن پارے کا لسانی تجزیہ کے علاوہ اس کے اسلوبیاتی خصائص کا تعین بھی ہے۔شعری لسانیات کسی فن پارے کا اسلوبیاتی تجزیہ کرنے کیساتھ ہی اس کے شعری خصائص بھی تلاش کرتا ہے اس وجہ سے یہ صحیح معنوں میں کسی ادیب یا شاعر کی تعینِ قدر میں معاون ثابت ہوتا ہے۔شعری لسانیات کے ابتدائی نمونے روسی ہیئت پسندوں اور امریکہ میں نئے تنقیدی زاویہ نگاہ پیش کرنے والوں کے یہاں ضرور ملتے ہیں البتہ زبان کے تخلیقی امکانات لسانیاتی تجزیوں کے تحت کیے جانے لگے۔اردو میں ابتدائی تنقیدی نمونے اُردو شاعری کے قدیم تذکروں میں ضرور ملتے ہیں اور ان کو تاثراتی تنقید کے ابتدائی نمونے کہا جاسکتا ہے البتہ ہمارے یہاں سلسلہ نقد کا باضابطہ آغاز آزاد، حالی اور شبلی کے ذریعے ہوا ہے۔اُردو ادب میں نئی تنقید کا آغاز صحیح معنوں میں مغربی تنقید کے زیر اثر ہوا ہے اور جدید وقدیم ادبی سرمائے کا جائزہ نفسیاتی، جمالیاتی، عمرانی تنقیدی نظریات کے تحت لیا جانے لگا اور ان تنقیدی نظریات کے تحت سماجی حقائق، اقدار، مصنف کے ذاتی کوائف، فضاء، ماحول کے تناظر میں ایک فن پارے کا جائزہ لیا جاتا تھا جس سے متن کی حیثیت ثانوی بن کر رہ گئی تھی اور ایک فن پارے کے شعری خصائص پردہ خفا میں رہ گئے تھے۔اس کمی کو اب 'شعری لسانیات' کے ذریعے حتی الامکان پورے کیے جانے لگے۔

اکائی نمبر6: زبانوں کی خاندانی خصوصیتیں

ہند جرمانی یا آریائی خاندان کی خصوصیات کا کوئی مکمل خلاصہ پیش کرنا اس لیے مشکل ہے کہ یہ برصغیر کے بڑے وسیع حصے پر پھیلی ہوئی ہے اور آریہ قوم بالکل ابتدائی زمانے سے ایک شاندار اور ترقی پذیر تمدن سے مالا مال رہی ہے۔آریائی زبانیں اشتقاقی اور تحلیلی حالت میں پائی جاتی ہیں۔لیکن پہلی سے دوسری حالت میں آنے کی منزل کسی واضح اور فیصلہ کن شکل میں نہیں پائی جاتی۔جس طرح فطرت کے اور شعبوں میں ہوتا ہے اسی طرح زبان میں بھی مختلف قسمیں،جنس اور نوع سب ایک دوسرے میں مخلوط ہو جاتے ہیں۔واضح خط فاصل یا حد بندیاں نہیں ہوتیں۔فطرت کوئی صندوقچہ نہیں جس میں بہت سے خانے بنے ہوں بلکہ بہت سی رنگین کڑیوں کی ایک زنجیر ہے۔

اَسماء افعال سے بالکل الگ ہوتے ہیں۔ایک ہی لفظ ایک ہی وقت میں فعل اور اسم نہیں ہوسکتا۔ایسا صرف اس وقت ہوتا ہے جب زبان نحوی یا ترکیبی منزل میں ہو۔تعداد کے اعتبار سے اسم کی تین شکلیں ہوتی ہیں: واحد،تثنیہ اور جمع۔بہت سی حالتیں ہوتی ہیں جن میں ہر ایک مخصوص اور غیر متفک خاتمہ کے رکن رکھتا ہے۔ان حالتوں کی تعداد واحد اور جمع کو ملا کر مختلف زبانوں میں پانچ سے لے کر نو تک کی شکلوں میں ظاہر ہوسکتی ہے۔تثنیہ میں کسی زبان کی مختلف حالتیں محفوظ نہیں ہیں۔سنسکرت اور ژند میں آٹھ حالتوں کے لیے صرف تین شکلیں،یونانی میں دو،اور لاطینی میں سارے تثنیے غائب ہو گئے ہیں۔مختلف حالتوں کے خاتمے ان کے اصل لفظ سے الگ نہیں کیے جاسکتے ہیں،نہ انھیں نظر انداز کیا یا گرایا جاسکتا ہے۔یہ مستقلاً قائم نہیں ہوتے بلکہ جن اسماء سے وہ ملحق ہوتے ہیں ان کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔

اس طرح گردان کے بہت سے صیغے ہو جاتے ہیں۔لیکن تمام گردانوں میں بنیادی قاعدے ایک ہی ہوتے ہیں اور جو اختلافات پیدا ہوتے ہیں وہ صرف آوازوں کے میل ملانے کے ان قاعدوں پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔جو اس قاعدے منضبط کرتے ہیں جس میں حالتوں کے خاتمے ان اسی مادّوں میں ترتیب وار جوڑے جاتے ہیں جو حروف علت یا حروف صحیح پر ختم ہوتے ہیں۔

یہ قاعدے بعض زبانوں مثلاً سنسکرت،ژند اور کسی حد تک لاطینی،یونانی اور آرمینی میں واضح طور پر تلاش کیے جا

سکتے ہیں۔لیکن ان زبانوں میں بھی جن میں ان کے آثار بالکل ہی مٹ گئے ہیں۔ایک محققانہ تجزیہ کے بعدان کے عمل کا پتہ لگالینا ممکن ہے۔

فعل کے بہت سے خاتمے ہوتے ہیں۔اسم کی طرح اس کے بھی تعداد کے اعتبار سے تین صیغے واحد،تثنیہ اور جمع ہوتے ہیں لیکن اسم ہی کی طرح اس خاندان کی بعض زبانوں میں فعل کا تثنیہ بالکل غائب ہوگیا ہے۔افعال کے وہ خاتمے جن سے ضمیر کا پتہ چلتا ہے یا تو مخفف ضمائر ہیں ضمیری شکلیں۔فعل کا عمل جس زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے ان کی شکلوں کے مختلف معین گروہ ہوتے ہیں ان حالتوں کے لیے بھی مختلف گروہ ہوتے ہیں۔جن کے ماتحت وہ عمل کیے جاتے ہیں۔شکلوں کے ہر ایسے گروہ کے ساتھ (جنھیں فعل کے زمانے یا طور کہا جاتا ہے) ضمیروں کی شکلوں کے بھی گروہ ہوتے ہیں۔فعل کے بنیادی یا اصل لفظ میں پہلے کچھ تبدیلیاں اس لیے ہوتی ہیں کہ اسے مفہوم میں ضروری تبدیلی ظاہر کرنے کے قابل بنالیں پھر اس ترمیم شدہ شکل میں تخفیف شدہ ضمیر کا اضافہ کردیا جاتا ہے جو ضمیر شخصی کے کا تمہ یا آخری رکن کا کام دیتی ہے،اس سلسلے میں آوازوں کے مناسب میل کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔عام طور سے فعل کے بنیادی یا اصلی لفظ میں کوئی اندرونی تغیر نہیں ہوتا۔

اس خاندان کی زبانوں کی اہم خصوصیات یہ ہے کہ یہ نہایت پیچیدہ خیالات یا خیالوں کے مجموعہ کو مرکبات کے ذریعہ سے ادا کرسکتیں ہیں کئی لفظ ملادیے جاتے ہیں۔حالتوں اور فعل کے زمانوں کے آخری رکن صرف آخری لفظ میں جوڑ دیتے ہیں،اس مرکب کا پہلا ٹکڑا یا تو حرف جار یا حرف ربط ہوتا ہے یا اسم یا کبھی کبھی فعل۔دوسرے خاندانوں میں یہ صلاحیت نہیں پائی جاتی۔

مندرجہ بالا خیالات صرف قدیم آریائی زبانوں پر منطبق ہوتے ہیں کیوں کہ موجودہ زبانوں میں سے کوئی بھی مکمل طور سے اشتقاقی نہیں ہے بلکہ سب کی سب کسی نہ کسی پہلو سے تحلیلی ہوگئی ہی ہیں۔جس عمل سے اس خاندان کی یوروپی زبانوں میں یہ تبدیلی ہوئی کہ لاطینی،اطالوی،فرانسیسی اور ہسپانوی میں تبدیل ہوگئی اسی عمل سے ہندوستان میں سنسکرت، ہندی، بنگالی اور مراٹھی میں بدل گئی ہے۔مگران دوقسم کی زبانوں میں تبدیلی کی نوعیت میں کچھ فرق بھی ہے۔

ا۔ یوروپی گروہ کی زبانوں کے متعلق کافی تاریخی مواد موجود ہے جس سے ہم آسانی سے لاطینی کے اطالوی میں تبدیل ہونے کے عمل اور ارتقاء کو دیکھ سکتے ہیں لیکن ہندوستانی گروہ میں ایسا نہیں کرسکتے۔سنسکرت ایک سرے پر ہے تو

جدید زبانیں دوسرے سرے پر اور درمیانی حصہ اندھیرے میں ہے جس پر ابھی تک روشنی نہیں پڑی ہے۔اس لیے ہم بعض اشتقاقی شکلوں کی ابتدا کے متعلق شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۲۔ رومانی زبانوں میں بہت سے ایسے الفاظ ملتے ہیں جن کو ہم لاطینی ماخذ تک نہیں پہونچا سکتے کیوں کہ وہ یا تو 'ٹیوٹانی' خاندان سے آئے ہیں یا کسی اور زبان سے۔اسی طرح موجودہ ہندوستانی زبانوں میں بہت سے لفظ ملتے ہیں جن کا رشتہ سنسکرت سے نہیں جوڑا جا سکتا لیکن ہم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ کہاں سے آئے ہیں۔اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل یقین دعویٰ یہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ یہ الفاظ ان لوگوں کی زبانوں کی یادگار ہیں جو یہاں زمانہ قدیم میں آباد تھے اور جنھیں آریہ حملہ آوروں نے مار بھگایا۔

۳۔ رومانی زبانوں کے مشتقات اور خاص کر افعال کے مشتقات مکمل طور سے لاطینی خصوصیات ظاہر کرتے ہیں جن کو سمجھے بغیر ان کا سمجھنا محال ہے۔ ہندوستانی زبانوں میں ان کے متوازی عمل تلاش کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ان افعال میں سنسکرت افعال کا پتہ نہیں چلتا۔

تحلیلی زبانوں میں بھی بعض وہی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو اشتقاقی زبانوں میں ملتی ہیں۔خاص فرق یہ ہے کہ آخر الذکر کی بہت سی شکلیں اپنی بھرپور حالت میں موجود نہیں ہیں ان جگہیں یا تو حرف ربط، حرف جار اور لاحقوں نے لے لی ہیں یا مرکب الفاظ نے جنھیں اصطلاحاً ''امدادی'' کہتے ہیں۔

اسم میں تثنیہ بالکل ہی غائب ہو گیا ہے اور واحد و جمع میں حالتوں کی تعداد مخفف ہو جانے یا تلفظ میں سے کسی آخری رکن کے گر جانے کی وجہ سے گھٹ گئی ہے اور معنی میں جو تغیر ہوتے ہیں ان کو ظاہر کرنے کے لیے حرف جار یا حرف ربط استعمال کیے جاتے ہیں جن میں سے بعض ایک شکل میں اور بعض دوسری شکلوں میں استعمال ہوتے ہیں یا اسے اصطلاحی طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ بعض ایک حالت کو اپنے ماتحت لاتے ہیں بعض دوسری کو۔

اسی طرح افعال کے بہت سے زمانوں اور طوروں میں سے ان کی بڑی تعداد غائب ہو گئی ہے اور اپنے مفہوم کے تغیر کو امدادی افعال مثلاً ''ہونا''، ''رکھنا'' وغیرہ لگا کر ظاہر کیا جاتا ہے۔فعل کے زمانوں میں ضمیری اختلافات اس طرح گر گئے ہیں کہ عام طور سے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے ضمیر کا کوئی لفظ ضرور لگانا پڑتا ہے۔

انگریزی میں اسموں کی حالت ظاہر کرنے والی تمام شکلیں غائب ہو گئی ہیں (ہاں اگر ہم اضافی حالت ظاہر

کرنے والے 'S' جیسے man's hand کو ایک حالت ظاہر کرنے والے رکن کا آخری جزو نہ قرار دیں) اس کے زمانے کی شکلیں بھی دو کے علاوہ سب ختم ہوگئی ہیں جیسے Love اور Loved۔ جمع کی ضمیری خاتمے بھی ختم ہوگئے ہیں اور واحد سے بھی ختم ہو رہے ہیں جیسے you lovest اور he lovest کی جگہ you love اور he loves نے لے لی ہے۔

ہندوستانی سے سنسکرت کے اسمی مشتقات غائب ہوگئے ہیں اور اس کی گردان سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے کی سکتی ہے۔ جمع کے لیے کوئی مخصوص شکل تیزی سے غیر مستعمل ہوتی جا رہی ہے۔ ''بات'' کی جمع ''باتیں'' اور ''باتوں'' ملک کے خاص حصوں تک محدود ہیں۔ فعل کی شکلیں البتہ باقی ہیں لیکن بہت ہی بگڑی ہوئی اور ناقابل شناخت حالت میں، یہاں تک کہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہندی کے افعال سنسکرت سے مشتق ہیں؟ ضمیر کو ظاہر کرنے والے خاتمے صرف صیغہ مراور مستقبل میں رہ گئے ہیں (معلوم نہیں اس کا کیا مطلب ہے۔ ہندی اور اردو میں افعال کے صیغوں میں بھی ضمیر کا پتہ چلتا ہے) سندھی، مراٹھی، پنجابی، گجراتی اور بنگالی میں بھی فعل بنانے کے طریقے قریب قریب ہندی سے ملتے جلتے ہیں۔

اسم میں حالت کے اظہار کی صرف ایک غیر واضح سی کیفیت ہوتی ہے اور وہ بھی صرف تین حالتوں کی۔ حالت کے اظہار کے آخری رکن یا خاتمے تو ہوتے ہی نہیں، اسم کا صرف آخری حرف علت بدلتا ہے، فاعلی حالت کے لیے پیش، ظرفی کے لیے زیر اور مفعول کے لیے زبر لگاتے ہیں۔ فعل کے صرف دو زمانے ہوتے ہیں اور وقت کے سلسلے میں ان کے استعمال میں اچھی خاصی الجھن ہے۔ عبرانی کا ماضی مطلق بن جاتا ہے، پھر بعض اوقات دونوں حال کے لیے استعمال ہوتے ہیں حال کے لیے کوئی شکل نہیں ہے اور نہ شکی کے لیے، نہ شرطیہ کے لیے اور نہ تمنائی کے لیے اور نہ کسی عمل کی مشروط حالت کے لیے۔ زمانے کے ہر صیغے کے لیے تذکیر و تانیث کے لحاظ سے مختلف شکلیں ہیں ''وہ بولا''، ''وہ بولی'' سے مختلف ہے اور یہی حالت زمانے کی تمام شکلوں میں رہتی ہے۔ بس ضمیر متکلم کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا کیوں کہ وہاں بولنے والے کی موجودگی اس تفریق کو بے سود بنا دیتی ہے۔

فعل کے ضمیری خاتمے ضمائر ہی ہوتے ہیں جو کسی قدر مٹ گئے ہیں لیکن اس قدر نہیں جتنے کہ آریائی زبانوں میں۔ ایک خصوصیت یہ ضرور ہے کہ ماضی مطلق میں یہ ضمیری رکن آخر مادہ یعنی اصل لفظ میں جوڑے جاتے ہیں اور

مستقبل میں سابقوں کی حیثیت سے۔اسی طرح اسموں میں جہاں آریائی زبانوں میں ضمیر اضافی استعمال ہونا چاہیے اس جگہ سامی زبان میں ضمیر متصل استعمال کرتے ہیں مثلاً کِتابِی (میری کتاب) کِتَاب اوری (رانی بہ معنی میں کی جگہ ،جس کے معنی یہاں ''میری'' کے ہیں) کا مجموعہ ہے۔اس قسم کی تمام زبانیں اشتقاقی حالت میں ہیں۔جدید عربی کی قدر تحلیلی زبان بننے کی طرف مائل ہے۔تورانی خاندان کی زبانوں کی مثالیں گذشتہ باب میں دی جا چکی ہیں۔اس کے علاوہ وہ اس قدر پھیلی ہوئی ہیں اور عام طور سے ان کے متعلق اتنی کم واقفیت ہے کہ چند الفاظ میں ان کی خصوصیات بتانا اگر بالکل محال نہیں تو تقریباً ناممکن ضرور ہیں۔:

۱۔ لہجہ یا زور دینے کا ایک نہایت ہی نازک اور پیچیدہ طریقہ جو مقدار اور درجہ میں چینی لہجے کے پیچیدہ طریقہ سے لے کر مگیاری (ہنگری کی ایک زبان) کے حروف علت کے ترتیب دینے کے نہایت سادے طریقوں تک پر مشتمل ہے۔

۲۔ اسماء کی حالتیں اور افعال کے زمانی صیغے ایک غیر تغیر پذیر یک جزوی مادّہ میں دوسری تبدیلی پیدا کرنے والے جزو جوڑ کر بنائے جاتے ہیں چاہے یہ جزو ایسے مکمل الفاظ ہوں جو الگ ماڈّے کی حیثیت سے استعمال کیے جا سکتے ہوں یا ایسے الفاظ جنھوں نے اپنا علیحدہ وجود ختم کر دیا ہے۔پہلی قسم کے الفاظ ترکیبی یا نحوی زبان سے تعلق رکھتے ہیں، دوسری قسم کے جوڑ کر بننے والی زبان کے دور سے۔

۳۔ فعل کے مادے میں ضمیر کے اظہار کے لیے کسی ترمیم کی عدم موجودگی بھی اس کی خصوصیت ہے۔اس طرح اسم کے مادّہ میں حالت کے اظہار کے لیے کوئی ترمیم نہیں ہوتی۔

۴۔ مندرجہ بالا وجہوں سے ان زبانوں کی ساخت میں یک جزوی ہونے کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرکب حروف صحیح نہیں ہوتے عام قاعدہ یہ ہے کہ ہر حرف علت ہونا چاہیے، ایسے الفاظ جیسے سنسکرت کا ''سمرتی'' یا انگریزی کا Strength تورانی زبانیں بولنے والے کے تلفظ میں آ ہی نہ سکے گا۔یہ خیال اس خاندان کی شمالی زبانوں کے مقابلہ میں دکنی زبانوں کے لیے زیادہ صحیح ہے۔

بعض تورانی زبانوں میں ضمیر متصل پائی جاتی ہے جو کئی حیثیتوں سے سامی زبان سے ملتی جلتی ہے۔یہ اس خاندان کی شمالی زبانوں میں زیادہ ترقی یافتہ شکل میں ملتی ہیں۔دراوڑی زبانوں یا ہمالیائی زبانوں میں اگر یہ بالکل ہی غائب نہیں ہوگئی ہیں۔تو بہت ہی کم پائی جاتی ہیں۔

اکائی نمبر 7: زبان اور بولیاں

انسان کے لیے زبان خدا کا سب سے بڑا تحفہ ہے۔زبان سے مراد بنی نوع انسان کی صلاحیت نطق ہے۔فرانسیسی زبان میں ان دونوں کے لیے مختلف الفاظ ہیں۔اول الذکر کو لان گاز (Language) اور موخرالذکر کو لانگ (Langue) کہتے ہیں۔جب ہم زبان کے آغاز کی بات کرتے ہیں تو ہماری مراد لان گاز ہوتی ہے۔جب کہ ''انگریزی''،''اردو'' وغیرہ زبانیں ''لانگ'' ہیں۔

ان میں اکثر اردو، ہندی، انگریزی، فرنچ وغیرہ مختلف زبانوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔لیکن ایک لسانی جماعت یعنی ایک زبان کے بولنے والوں کی حد بندی بڑی مشکل ہے۔ہم برعظیم ہندو پاک میں پشاور سے جنوب یا جنوب کی طرف سفر کریں تو ہمیں کہیں پر یکا یک زبان کے بدلنے کا احساس نہ ہوگا۔یعنی ہر گاؤں یا شہر والے اگلے گاؤں یا شہر کی زبان کو بآسانی سمجھ سکیں گے۔فرانس سے اٹلی کی طرف سفر کرتے جایئے زبان میں یوں نامحسوس تبدیلی ہوگی کہ فرنچ اور اطالوی ایک ہی سلسلہء زبان معلوم ہوگا۔جرمن یا ڈچ یا ناروے اور سوئیڈن کی زبانوں میں بھی اس طرح کوئی حد فاصل نہیں۔لیکن ایک سرے والے دوسرے سرے کی زبان نہیں سمجھ سکتے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایک زبان کے علاقے سے گزر کر دوسری زبان کے علاقے میں داخل ہوگئے ہیں۔یہ کیونکر طے ہو کہ فرنچ اور اطالوی یا پنجابی اور مغربی ہندی کے درمیان خط تقسیم کہاں ہے۔یہ الگ الگ زبانیں ہیں یا ایک ہی زبان کی بولیاں ہیں۔

ایک عام اصول یہ بنالیا گیا ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے کو سمجھ سکتے ہیں وہ ایک زبان کے بولنے والے ہیں۔اب سمجھنا ایک اضافی امر ہے۔گاؤں والوں کی نسبت شہر والے، بے پڑھوں کی نسبت پڑھے لکھے اور ایک خطے میں عمر گزار دینے والوں کی نسبت سیاح اور جہاندیدہ قسم کے لوگ دور دور تک کی زبانیں سمجھ لیتے ہیں۔ذیل کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

اک روز جہاں نو جانا ہے
جا قبرے وچ سمانا ہے

(بلھے شاہ پنجابی)

بشیر بنی خواب آلودہ مژگاں نشتر زنبور
خود آرائی سے آئینہ طلسم موم جادو تھا

(غالب)

ان میں پہلا شعر جو پنجابی کا ہے غالب کے اردو شعر کے مقابلہ میں کہیں زیادہ آسانی سے سمجھ میں آتا ہے۔ ہم دسویں سال انگریزی پڑھنے کے باوجود انگریزی فلموں کے مکالمے نہیں سمجھ پاتے۔ میسور کے مسلمان جب آپس میں روانی سے اردو میں بات چیت کرتے ہیں تو ایسا گماں ہوتا ہے جیسے کنڑی بول رہے ہیں۔ ہمارے پلّے کچھ نہیں پڑتا۔ اس طرح دو شخصوں کے درمیان باہم سمجھنے کی مقدار صفر سے لے کر سو فیصدی تک بھی ہوسکتی ہے۔ کس حد تک قابل فہم ہونا ایک زبان کی علامت ہے؟ اور کسی نقطے کے آگے دو تقریریں یا عبارتیں دو زبانیں ہوجاتی ہیں؟

لسانیات کا طالب علم کھڑی بولی کا مطالعہ کرنا چاہے تو کہاں کی اور کس کی بولی کو لے! جس کے بعد وہ دعویٰ کر سکے کہ کھڑی بولی میں فلاں آوازیں پائی جاتی ہیں اور اس کے فلاں قواعد ہیں۔ لسانیات نے اس وادی سنگلاخ میں اپنی بے دست و پائی کا اعتراف کر کے یہ اصول بنایا ہے کہ صحت اور قطعیت کے ساتھ صرف ایک فرد واحد کی زبان کا ہی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

انفرادی بولی کو انگریزی میں (Dialect) کہتے ہیں۔ ہر شخص کے بولنے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ یہ اس سے ظاہر ہے کہ ہم کسی کو دیکھے بغیر محض اس کی آواز سے پہچان لیتے ہیں۔ ٹیلیفون تک کی آواز سے شخصیت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ یہ واضح کرنے کی ضرورت نہیں کہ عمر کے ساتھ ساتھ ایک فرد کی زبان میں تلفظ، لہجے اور ذخیرہء الفاظ میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔ آلات تو یہاں تک ثابت کرتے ہیں کہ ایک شخص ایک لفظ کو ایک بار جس طرح بولتا ہے۔ آئندہ کبھی اس طرح نہیں بول سکتا۔ اس انتہائی صورت کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہم ایک شخص کی عمر کی ایک منزل کی زبان کو انفرادی بولی مان کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اب جغرافیائی اعتبار سے ذیل کا سلسلہ ملاحظہ ہو۔

ا۔۔۔ب۔۔۔ج۔۔۔د ۔۔۔۔

مندرجہ بالا شکل میں چار نقطے انفرادی بولیوں کے مجموعے ہیں جو مختلف مقامات میں واقع ہیں۔ ب کے افراد ا اور ج دونوں کی بولیاں سمجھتے ہیں۔ ج والے ب اور د دونوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن ا اور د والے ایک دوسرے کو نہیں سمجھ

سکتے۔اس سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ ا اور د دومختلف زبانیں ہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ ان کے درمیان حد فاصل کہاں قائم کی جائے؟ ہم ا اور د کی ایسی خصوصیات لیں گے جو ایک کو دوسرے سے مختلف روپ دیتی ہیں۔مثلاً قواعد کے بعض اصول، بعض آوازیں اور بعض بنیادی الفاظ ان کے استعمال کے علاقے کا تعین ہوجائے تو ہم موٹے طور پر ایک لسانی سرحد قائم کرسکیں گے۔لسانی سرحد پر دراصل ایسی زبان بولی جاتی ہے جو دو زبانوں کے بین بین ہوتی ہے جس میں کچھ خصوصیات اس زبان کی اور کچھ دوسری زبان کی ہوتی ہیں۔ یہ سرحد جامیٹری کا سیدھا باریک خط نہیں ہوتا بلکہ ایک چوڑی سی پیچ وخم والی پٹی ہوتی ہے۔اس سرحد کے آس پاس ایک دوسری زبان کے جزیرے ہوتے ہیں۔

ایک دوسرے کی زبان کی فہم کی مقدار معلوم کرنے کے کئی طریقے ہیں۔مختلف علاقوں کی دو انفرادی بولیوں کو لو۔ان کے مشترک ذخیرہءالفاظ کا شمار کرو۔بعض اوقات دور دور کی بے تعلق زبانوں میں بھی بعض الفاظ ہیئت ومعنی دونوں کے اعتبار سے یکساں ہوتے ہیں۔لیکن وہ محض اتفاق ہوتا ہے۔حساب سے معلوم ہوا کہ ذخیرہءالفاظ میں اتفاقی مماثلت ۴ فیصدی سے زیادہ نیں ہوتی۔ بقیہ الفاظ اگر بہت بڑی تعداد میں مشترک ہوں تو ہم ایسی دو انفرادی بولیوں کو ایک زبان کا حصہ قرار دیں گے۔اس اصول کا اطلاق بھی اتنا سہل نہیں، اشتراک کسے کہا جائے۔گھوڑا۔گھوڑ وا اور گھڑ وایا سانڈ اور سانڑ یا مارتا ہے اور مار وا ہے یا آٹھ اور اٹھ کو یکساں قرار دیا جائے یا مختلف۔ بڑی مشکل ہے۔اس الجھن سے بچنے کا راستہ یوں نکالا گیا ہے کہ کسی کی بات چیت کو ریکارڈ کرلیجئے۔اس میں مفہوم کے حامل جتنے نکات ہیں۔ان کو شمار کرلیجئے۔دوسرے شخص کو یہ ریکارڈ سنا کر معلوم کیجئے کہ وہ کتنے کا مطلب اور نکات سمجھ سکا۔اگر وہ بیشتر مطالب کو سمجھ سکا ہے تو یہ دونوں افراد ایک زبان کے بولنے والے ہیں۔ورنہ نہیں۔

دو شخصوں کا ایک دوسرے کی بات سمجھ لینا مشترک الفاظ کی تعداد پر منحصر ہے۔دو بولیوں میں مشترک یا مماثل الفاظ پائے جائیں تو اس کی دو تاویلیں کی جاسکتی ہیں: (۱) یا تو یہ دخیل (Loan) الفاظ ہیں۔(۲) یا یہ دونوں کا آبائی ورثہ ہے۔جس کے معنی یہ ہیں کہ دونوں زبانیں ایک خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ملیالم میں کوئی اسّی فیصدی سنسکرت الفاظ اور انگریزی میں تقریباً ۶۰ فیصدی فرنچ الفاظ ہیں جو باہر سے داخل ہوگئے ہیں۔دوسری طرف ہندی اور بنگالی میں الفاظ کا اشتراک ان کے ہم جدی ہونے کی وجہ سے ہے۔تاریخی لسانیات کی مدد سے زبانوں کا خاندانی رشتہ متعین ہوجائے تو زبانوں کے وصل وفصل اور ان کی لسانی حدود طے کرنا سہل ہوجاتا ہے۔

ہم نے اب تک قابل فہم ہونے کو زبان کی حد بندی کا معیار قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں بھی کسی قدر پیچیدگیاں ہیں۔ سمجھا جانا منحصر ہے ذخیرہء الفاظ کے ایک بڑے حصے کے اشتراک یا مشابہت پر۔ ہریانی اور پنجابی میں اردو فارسی میں، انگریزی اور فرنچ میں بہت سے الفاظ مشترک یا مماثل ہیں۔

شمار سجہ مرغوب بت مشکل پسند آیا

تماشائے بیک کف بردن صددل پسند آیا

اس شعر کو اردو داں طبقے کے علاوہ ایک ایرانی بھی سمجھ سکتا ہے۔

تو کیا ہریانی اور پنجابی یا انگریزی اور فرنچ کو ایک زبان کی دو بولیاں قرار دیا جائے؟ نہیں، یہاں ہمیں اپنے اصول میں ترمیم کرنی پڑتی ہے۔ زبانوں کے رشتے میں صرف بنیادی الفاظ رہنمائی کرتے ہیں۔ بقیہ ذخیرہء الفاظ کی اہمیت نہیں۔ وہ بنیادی الفاظ کیا ہیں۔

اہم اعضائے جسم کے نام: آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں

خاص رشتے: ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، بھائی، بہن

گنتی کے الفاظ: ایک، دو، تین، چار، دس، گیارہ، بارہ، تیرہ بیس، اکیس، وغیرہ

بنیادی افعال: آنا، جانا، کھانا، پینا، چلنا، کرنا، مارنا

ضمائر: میں، ہم، تم، وہ

ایک ماخذ سے کچھ ہی پہلے جدا ہونے والی دو زبانوں یعنی سگی یا چچیری بہنوں میں یہ الفاظ بھی بڑی حد تک مماثل ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

ہندی	مراٹھی	گجراتی	تامل	کنڑا	ملیالم
ناک	ناہ	ناہ	موکو	موگو	موک
کان	کان	کان	چیوی	کیوی	چیوی
کھا	کھا	کھا	تن	تِنّو	تنو
پی	پی	پی	کدی	کدی	کدی

یہ بھی معیاری پیمانہ نہ ہوا۔ ایک خاندان کی مختلف زبانوں میں بنیادی الفاظ مشترک ہو سکتے ہیں۔ الفاظ کی مماثلت سے زیادہ قابل وثوق اصول یہ ہے کہ قواعد کی مماثلت پر تکیہ کیا جائے۔ تصریف واشتقاق کے قواعد اور کلام کی نحوی ساخت زبانوں کے حصار کی حد بندی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ یہ ایک زبان کی مختلف بولیوں میں مماثل ہوتے ہیں اور مختلف زبانوں مس س مختلف فعل کی گردان، اسم وضمر کی تعریف، حروف جار کا استعمال، زبان کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

ایک زبان کے بولنے والوں میں جس قدر ملنا جلنا ہوگا۔ اسی قدر ان کی بولی یکساں ہوگی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک بڑے علاقے میں بسنے والے لسانی گروہ میں امتداد زمانہ کے ساتھ مقامی خصوصیات پیدا ہوتی جائیں گی۔ یہ اختلافات ایک زبان کو بولیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ایک بولی کے بولنے والوں کی بولیوں میں کم وبیش یکسانیت ہوتی ہے۔ کیا قواعد، کیا روزانہ ضرورت کے ذخروہء الفاظ دونوں میں مکمل مطابقت ہوتی ہے۔ چنانچہ بولی کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

''بولی کسی زبان کی وہ ذیلی شاخ ہے جس کے بولنے والوں کو کسی لسانی اختلاف کا احساس نہیں ہوتا۔''

زبان کا علاقہ جتنا بڑا ہوگا اتنی ہی اس میں بولیاں زیادہ ہوں گی۔ یہ علاقہ اگر دشوار گزار ہوگا یعنی اگر اس کے باشندے ایک دوسرے سے کم مل جل پاتے ہوں گے تو تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بولیوں کا فرق ہوتا جائے گا۔ غیر متمدن قبائل میں چونکہ نقل مکانی کم ہوتی ہے اس لیے ان کی زبانوں میں بولیوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ انڈونیشیا کے جزیرہ (Cebbes) میں سیکڑوں بولیاں ہیں۔ نیوگنی میں اس سے بھی زیادہ ہیں۔

صفحہ زمین سے محو ہونے سے قبل چھوٹے سے جزیرے تسمانیہ کے جنگلیوں کی تعداد محض پچاس رہ گئی تھی اور وہ چار بولاں بولتے تھے جن میں آنکھ ناک سر کے لیے الگ الگ الفاظ تھے۔

زبان بولیوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ لیکن جب ہم کسی کتاب میں ہندی، اردو یا انگریزی زبان کے نمونے پڑھتے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ یہ الفاظ اس زبان کی ہر بولی کا مشترک حصہ ہیں۔ بلکہ یہ کتابی زبان بھی ایک بولی کی منزہ صورت ہے جو بعض غیر لسانی وجوہ سے زیادہ موقر ہوگئی ہے۔ کسی زبان کی سب سے اہم بولی کو معیاری زبان قرار دیا جاتا ہے۔ بولنے والوں کے مقام کی اہمیت سے کوئی بولی اہم ہو کر معیاری ہو جاتی ہے۔ معیاری زبان کے تعین میں اور دوسری بولیوں کی تقابلی اہمیت میں ذیل کے اسباب میں سے کوئی ایک یا کئی کارفرما ہوتے ہیں۔

۱- سیاسی اقتدار والے علاقے مثلاً راجدھانی کی بولی معیاری زبان بن جاتی ہے۔ دلی کی اردو، لندن کی انگریزی اور روم کی لاطینی بولیاں اپنی زبان کی معیاری شکل قرار پائیں۔ پونا کی مراٹھی بھی اسی وجہ سے معیاری مانی گئی۔

۲- کسی مقام کی دینی برتری بھی وہاں کی بولی کو اہم کر دیتی ہے۔ متھرا کی برج بھاشا اور ایودھیا کی اودھی معیاری تسلیم کی جاتی تھیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایک زمانے میں برج اور اودھی کو زبان کا مرتبہ حاصل تھا۔ امرتسر کی بولی کی پنجابی معیاری زبان قرار دینے کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ وہ سکھوں کا مقدس مقام ہے۔

۳- جس بولی میں جتنا ادب ہوگا، اسی مناسبت سے اس کی اہمیت ہوگی۔ مغربی ہندی کی بولیوں میں ماضی میں برج اور آج کھڑی بولی سب سے اہم ہے۔ مشرقی ہندی میں اودھی بقیہ دو بولیوں یعنی باگھیلی اور چھتیس گڑھی سے کہیں زیادہ اہم ہے اور اس کی وجہ ان کے ادب کی کیفیت و کمیت ہے۔

اگر کسی وجہ سے معیاری زبان کی اہمیت کم ہو جاتی ہے تو وہ محض بولی ہو کر رہ جاتی ہے اور کوئی دوسری بولی معیاری زبان کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ شاہجہاں کے عہد تک جب آگرہ ہندوستان کا دارالخلافہ تھا۔ برج ہندی کا معیاری روپ تھا اور کھڑی بولی محض ایک بولی تھی۔ شاہ جہاں نے جب دارالسلطنت دلی کو منتقل کر دیا تو کھڑی بولی معیاری زبان ہوگئی اور برج محض ایک بولی ہو کر رہ گئی۔

معیاری زبان تعلیم و ادب، نظم و نسق، تہذیب و مجلس کی زبان ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی اہمت اور وقعت روز افزوں ہو جاتی ہے۔ یہ مختلف بولیوں کے درمیان مشترک زبان کا کام دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معیاری زبان میں بات چیت کرنا تہذیب اور مرتبت کی نشانی سمجھا تا ہے اور بولی کا استعمال تہذیب و تعلیم و امارات سے بے بہرہ ہونے کی علامت۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معیاری زبان شہروں سے بولیوں کو نکال کر ان کی جگہ پر قابض ہو جاتی ہے۔ بولی میں ادب کی تخلیق رک جاتی ہے اور معیاری زبان ہی ادب کی زبان بن جاتی ہے۔

معیاری زبان اور بولی کے کئی روپ ہوتے ہیں۔

ادبی زبان سب سے زیادہ فصیح اور قواعد و ضوابط کی پابند ہوتی ہے۔ لیکن اکثر یہ زبان کے اصول سے آزاد بھی ہو جایا کرتی ہے۔ اس سے نیچے دوسرے موضوعات کی تحریری زبان ہوتی ہے۔ مثلاً اخبار یا تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں کی زبان معیاری زبان کی تقریری شکل اس سے زیادہ وابستہ ہوتی ہے۔ کتابوں میں زبان جس طرح لکھی جاتی ہے۔ اس

طرح کوئی بولتا نہیں ورنہ گفتگو کو مصنوعی اور کتابی کہا جائے گا۔اسی طرح تقریر کا روزمرہ تحریر میں پیش نہیں کیا جاتا کیونکہ بولنے میں جلدی کی خاطر لفظوں کے تلفظ کو کچھ نہ کچھ مختصر اور مسلسل کے بغیر چارہ نہیں۔

معیاری زبان ہی کی قدرے مختلف شکل بعض پیشوں کی طبقاتی زبان ہے مثلاً انجینئر، ڈاکٹر، وکیل، مذہبی قائدین، کھلاڑی، کرخندار، آڑھتی کی زبان، ہندوستانی طلبہ کی زبان میں انگریزی الفاظ،مولویوں کی زبان میں عربی، فارسی الفاظ اور پنڈتوں کی بھاشا میں سنسکرت الفاظ کی بہتات ہوتی ہے۔

معیاری زبان میں بولنے والوں کی تعلیمی اور معاشی حالت کے اعتبار سے کئی درجے ہوتے ہیں۔ پڑھے لکھے یا مرفہ الحال طبقے زبان کا جتنا پاکیزہ ادب استعمال کرتے ہیں تعلیم سے محروم یا معاشی اعتبار سے فروتر افراد اس کو کسی قدر مسخ کر کے بولتے ہیں۔ان کی زبان کو ہم نیم معیاری زبان (Sub-standard Language) کہیں گے۔اسے شہروں کے کم پڑھے لکھے لوگ، طبقہء متوسط کی نچلی سطح کے افراد ۳ Lower middle class) کا گیر،مستری، خوانچے والے، چھوٹے دوکاندار استعمال کرتے ہیں۔گویا یہ معیاری زبان کی غیر فصیح شکل ہوتی ہے۔سچ تو یہ ہے کہ ملک کی مشترک زبان کے طور پر یہی رائج ہوتی ہے۔ہندوستان کی عوامی قومی زبان کوئی ہے تو وہ ہے بمبئی کی اردو۔

معیاری زبان کسی زبان کی سب سے تہذیب یافتہ صورت کا نام ہے۔اس کے چند ایک مراکز ہوا کرتے ہیں۔مثلاً لکھنو اور دہلی معیاری اردو کے مراکز ہیں۔اس کے علاوہ زبان میں دوسری مقامی بولیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اور لسانایت کے طالب علم کو ان میں بہت زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ بڑی زبانوں کی بولیاں بھی خاصے بڑے علاقے پر پھیلی ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہ کچھ اور ذیلی بولیاں ہیں (Sub-dilects) میں بٹ جاتی ہیں۔مثل مشہور ہے کہ کوس کوس پر پانی بدلے، بارہ کوس پر بانی۔ اتنا بھی نہ سہی تو تقریباً ستر،اسی میل یعنی ایک ضلع کے ساتھ ساتھ بولی بدل جاتی ہے۔ مغربی ہندی کی ایک بولی ہے کھڑی بولی۔ کھڑی بولی کی ذیلی بولیاں،سہارنپور کی بولی، رامپور کی بولی وغیرہ ہیں۔ان علاقوں کے رہنے والے ان کے نازک اختلافات کو بخوبی پہچانتے ہیں۔مثلاً سہارنپور کی زبان میں نون غنہ کے اعلان کا رجحان ہے۔بجنور میں طویل مصوتے (Vowel) کے بعد آنے والے مصمے (consonant) کو کسی قدر مشدد کر دیا جاتا ہے مثلاً آگے بوّلی۔ مرادآباد میں بعض ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں جن سے آس پاس کے اضلاع والے ناواقف ہیں۔مثلاً بہاری کرنا یعنی اڑالینا، پار کر دینا،صفری بمعنی امرود۔

بولی کی سب سے زیادہ مسخ شدہ شکل کو گنوارو بولی (پیڈوا-Patois) کہتے ہیں۔اس کا علاقہ تو مختصر ہوتا ہی ہے۔ یہ غیر مہذب اور جاہلانہ سمجھی جاتی ہے۔جس طرح معیاری بولی کی غیر فصیح شکل کو پست معیاری بولی کہا تھا۔اسی طرح علاقائی بولی کے پست تر روپ کو گنوارو بولی کہہ سکتے ہیں۔

ایک بحث یہ بھی ہے کہ زبان اور بولیوں کا تاریخی رشتہ کیا ہے۔کیا امتداد زمانہ کے ساتھ ایک زبان بٹ کر بولیوں میں تقسیم ہوگئی یا مختلف بولیاں مل جل کر زبانیں بن گئیں۔یعنی بولیاں پہلے آئیں یا زبان۔

رینان[۴](Renan) اور میکس مولر کا خیال ہے کہ زبان کا فطری ارتقا انتشار سے اتحاد کی طرف ہے۔ابتدا میں انسانی بولیاں متعدد ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھیں۔میل جول کے ساتھ ان کے اختلافات کم ہوتے گئے اور وہ ایک زبان کی شکل میں گھٹ گئیں۔بالکل اسی طرح جیسے کہ ابتدا میں خاندان، گوتر، ذات پات اور قبیلے تھے جو بعد میں قوم کی شکل میں منظّم ہو گئے۔

امریکی ماہرین لساناوت دھٹّے[۵] اس نظریہ کے خلاف ہے۔اس کی رائے ہے کہ زبان پہلے آئی وہ آہستہ آہستہ بولیوں میں تقسیم ہوگئی۔کچھ اور عرصے کے بعد یہ بولیاں خود زبان کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں اور ان سے پھر بولیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ ایسی بدیہی بات ہے جس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔زبانوں کی تاریخ اس کی سب سے بڑی شاہد ہے۔ ہند یورپی یا ہند آریائی کی تاریخ کے آئینہ میں دیکھیے زبانیں کس طرح بولیوں کو جنم دیتی گئی ہیں۔

لسانی تاریخ میں یہ واقعہ عام ہے کہ بولیاں ایک دوسرے سے جدا ہو کر مختلف زبانیں بن جاتی ہیں۔اطالوی اور فرنچ یا جرمن اور ڈچ کسی زمانے میں ایک زبان کی دو بولیاں تھیں۔ یہ بہت ممکن ہے کہ سو دو سو سال میں برطانیہ اور امریکہ کی انگریزی ہندوستان و پاکستان کی اردو دو مختلف زبانیں ہو جائیں۔اس کے برعکس شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا ہے کہ زبان زوال پذیر ہو کر محض بولی رہ جاتی ہے۔ برج اور اودھی کو عہد وسطیٰ میں زبان کا درجہ حاصل تھا۔اب وہ ہندی کی بولیاں ہو کر رہ گئی ہیں۔میتھلی اور راجستھانی کو بھی ہندی والے بولی قرار دینا چاہتے ہیں۔کون جانے کہ لسانی کبر کے زیر اثر کچھ زمانے کے بعد پنجابی بھی ہندی کی بولی بن کر رہ جائے۔

معیاری زبان میں پھیلنے کا رجحان ہوتا ہے۔وہ پاس پڑوس کی بولیوں کو ختم کر دینے کی کوشش کرتی ہے۔روم کی لاطینی بولی آس پاس کی کئی بولیوں کو کھا گئی۔معیاری زبان اور بولیاں ایک دوسرے کو متاثر بھی کرتی ہیں۔انبالے کی

ہندی پر ہریانی کا اثر اور بنارس کی ہندی پر بھوجپوری کے اثرات ہیں۔ اردو کی دکنی بولی پر مراٹھی کے اثرات ہیں اور جہاں تک لہجے کا تعلق ہے آندھرا کی اردو تلگون میں اور مسور کی اردو، کنڑ لہجے میں بولی جاتی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ علاقائی بولیاں معیاری بولی سے ذخیرہ الفاظ اور بعض اوقات قواعدی روپ بھی لیتی جاتی ہیں۔

بولیوں میں زندگی کا حرکی خون رواں دواں ہوتا ہے۔ یہ ارتقا پذیر ہوتی ہیں معیاری زبان ادب اور قواعد کی اسیر ہوکر رہ جاتی ہے۔ یہ ہر قدم پر سند کی تلاش کرتی ہے۔ روزمرہ سے بیگانہ ہوکر یہ روایت پسند اور ماضی پرست ہوجاتی ہے۔ بولیاں مستقبل کا آئینہ ہوتی ہیں۔ آخر کار معیاری زبان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تقریر سے بچھڑ کر پیچھے رہ گئی ہے۔ ہار کر اور جھنجھلا کر اسے بولی کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔ شروع شروع میں وہ جن لسانی تبدیلیوں پر ناک بھوں چڑھا کر انھیں تحقیر کے ساتھ ٹکسال باہر قرار دیتی ہے۔ ایک عرصے کے بعد اسے وہی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ معیاری بولی کی زندگی کی شرط یہ ہے کہ وہ بولیوں کی طرف سے مغائرت نہ برتے۔ ان کے ذخیرہ الفاظ سے استفادہ کرتی رہے ورنہ سنسکرت کی طرح قواعد بند ہوکر ٹھٹھر جائے گی۔ معیاری زبان اس ندی کی طرح ہے جس کی سطح کے اوپر برف کی جامد تہہ جمی ہو لیکن اس کے نیچے موج تہہ نشین مچل رہی ہو۔ یہ امواج تہہ نشیں بولیاں ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ گفتگو عموماً بولی ہی میں کی جاتی ہے۔ معیاری زبان صرف پر تکلف موقعوں کے لئے ہوتی ہے۔ کلاس روم، عدالت، اسمبلی، لکچر ہال وغیرہ میں بھلے ہی باقاعدہ ٹکسالی معیاری زبان بولی جائے۔ گھر میں آکر ہر شخص کا رجحان بولی کی طرف ہوجاتا ہے۔

تقریری روپ میں زیادہ کنارہ کشی اور لغت و قواعد کے زیادہ احترام کے باعث بعض اوقات زبانیں مر بھی جاتی ہیں۔ یعنی ان کا بولنے والا کوئی نہیں رہتا۔ سنسکرت اور عبرانی اس کی مثالیں لیں لیکن اس کی خاکستر پر دوسری نسل پیدا ہوجاتی ہے۔ دوسرے کئی وجوہ سے بھی زبانیں مردہ ہوجاتی ہیں۔ یعنی کبھی تو ان کے بولنے والے تنازع للبقا میں پسپا ہوکر ختم ہوجاتے ہیں۔ جس طرح تسمانیہ والے گئے گزرے ہوئے یا جنوبی ہند میں ٹوڈا تقریباً ختم ہوگئے ہیں یا ریڈ انڈین روز بروز کم ہوتے جارہے ہیں۔ بعض صورتوں میں ایک زبان کے بولنے والے سیاسی یا تہذیبی حیثیت سے دوسری زبانوں کے زیر اقتدار آکر آہستہ آہستہ اپنی زبان کو ہاتھ سے گنوا دیے ہیں۔ امریکہ کے حبشیوں نے اپنی زبانیں چھوڑ کر انگریزی اختیار کرلی ہے۔ آئرلنڈ میں جہاں کی زبان انگریزی سے مختلف خاندان کی تھی، اب عام طور سے انگریزی بولی جاتی ہے۔ ماضی کے طویل دھندلکے میں متعدد چھوٹی زبانیں اس طرح کالعدم ہوگئی ہیں کہ ان کا نام

لیوا بھی صفحہء ارض پر موجود نہیں۔ چنانچہ یہ یقینی ہے کہ گرد تاریخ میں دفن ہو جانے والی زبانوں کی تعداد زندہ زبانوں سے کہیں زیادہ ہے۔

بعض اوقات احائیتیا علاقائیت کا جذبہ بولی کو ایک وقعت عطا کر دیتا ہے۔ میتھلی اور راجستھانی کو زبان کا مرتبہ دلانے کی ایک نحیف سی تحریک ہے جس کے زیر اثر ان بولیوں میں ادب کی کچھ نہ کچھ تخلیق کی جا رہی ہے۔ بھوجپوری میں فلمیں بن رہی ہیں۔ پرشوتم داس ٹنڈن اودھی میں بات چیت کرنے پر زیادہ آسودگی محسوس کرتے تھے۔ بلوم فلڈ کے مطابق جرمنوں میں پچھلی ایک صدی میں بولیوں کے لئے ایک رومانی لگاؤ کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ طبقہء بالا کے بعض جرمن گھر میں بولی ہی میں گفتگو کرتے ہیں۔ سوئزرلنڈ کے جرمن اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں سے مقامی بولی میں بات چیت کو ناپسند کرتے ہیں۔

بولی انسان کی بنیادی ضرورتوں، ہوا، پانی، سادہ خوراک کی طرح ہے۔ معیاری زبان ہماری ان ضروریات کی طرح ہے جو تہذیب نے پیدا کر دی ہیں۔ مثلاً ریل، بجلی، ابتدا میں یہ آسائش رہی ہو گی لیکن اب ان کے بغیر طرز زندگی مشکل ہے۔ ادبی زبان ان آسائشوں کی طرح ہے جو خواص کے لئے مثلاً موٹر، ٹیلیفون، قصر و ایوان، تہذیب کے فروغ کے لے ان سبھی کی ضرورت ہے۔

اکائی نمبر 8: زبان اور لسانیات

انسان کی علمی اور عملی زندگی میں زبان جن جن حیثیتوں سے داخل ہوئی ہے اس کا ادراک بیک وقت آسان نہیں۔ بعض اوقات تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سماجی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے بغیر کام کر ہی نہیں سکتا۔ مسائل کے سیکھنے، سمجھنے اور انھیں عملی شکل دینے میں زبان ہی کا ہاتھ ہوتا ہے کیونکہ چاہے تھوڑا بہت کام اشاروں، نقشوں، تصویروں اور حرفوں سے چل جاتا ہو لیکن عملاً ہر منزل پر زبان ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ زبان ہر وقت ہماری مدد کے لیے اس طرح موجود ہوتی ہے کہ اس کی اہمیت اور پیچیدگی کا خیال بھی نہیں آتا۔ علمائے لسانیات اور نفسیات کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ جب کوئی ان پڑھ، گنوار یہ کہتا ہے کہ مجھے بھوک لگی ہے اور سننے والا اس کی بات کو سمجھ کر اس کی بھوک مٹا دینے کا انتظام کر دیتا ہے تو اتنی دیر میں جسمانی اور ذہنی عمل کی کتنی منزلیں طے ہو جاتی ہیں۔ عام حالات میں ان الجھی باتوں کو جاننے کی ضرورت بھی نہیں معلوم ہوتی لیکن کسی نہ کسی منزل پر ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ہم بولتے کس طرح ہیں۔ جو دل میں ہوتا ہے وہی کیسے کہتے ہیں۔ سننے والا کیسے سنتا ہے اور کس طرح ہماری بات سمجھتا ہے۔ ذرا غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اگر آواز نکالنا اور سننا محض ایک جسمانی عمل ہے تو اپنے دل کی بات کہنا اور دوسرے شخص کا اس بات کو سمجھ لینا ذہنی کیفیت ہے۔ جن میں تال میل پیدا ہونا ہی کہنے سننے والے کے درمیان کوئی رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ میں اگر بے معنی آوازیں نکالوں یا کوئی ایسی زبان استعمال کروں جو میرا مخاطب جانتا ہی نہیں تو زبان کا اصل مقصد جسے ترسیل یا ابلاغ کہہ سکتے ہیں پورا ہی نہ ہوگا۔ یہاں جسمانی عمل ہو رہا ہے۔ میں کچھ کہہ رہا ہوں، سننے والا سن رہا ہے لیکن چونکہ میرا کہنا سننے والے کے ذہن میں کوئی تصویر نہیں بناتا، کوئی نقش نہیں ابھارتا، اس لیے چاہے میں نے کچھ سمجھ کر آوازیں نکالی ہو، لیکن مخاطب میرے مفہوم سے بالکل بے خبر رہے گا۔ ان باتوں پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوگی کہ زبان آوازوں کا ایک ایسا نظام عمل ہے جس کو کوئی سماجی گروہ اپنے خیالات کے اظہار کے لیے اس طرح استعمال کرتا ہے کہ اس گروہ کے لوگ اسے سمجھ سکیں اور اس کے مطابق اپنا ردعمل ظاہر کر سکیں۔ زبان کا یہی بنیادی مقصد ہے اور اسی دائرے میں معمولی اظہار خیال سے لے کر شاعری اور فلسفہ تک آجاتے ہیں۔

ابتداً زبان کس طرح بنی اور اس کی ابتدائی ساخت کیا تھی۔ یہ مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا ہے۔ علما نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں لیکن اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ ان کا خیال قطعی نہیں ہے۔ جو زبانیں دنیا میں رائج ہیں جن کی قدیم شکلوں کا علم ہو گیا ہے ان سے بھی ابتدا کا مسئلہ حل نہیں ہوتا تاہم اتنا علم ضرور ہو جاتا ہے کہ دنیا کی کوئی زبان بہت دنوں تک ایک حالت پر قائم نہیں رہتی۔ اس میں صوتی، لسانیاتی، معنوی اور صوری تغیرات ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کی ابتدا اور آخری شکل میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہونے لگتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جدید زبان کے قواعد اور لغات سے واقفیت رکھنے والا اس کی قدیم شکل سے بھی واقف ہو۔ زبان کی اس ارتقائی اور بتدریج بدلتی ہوئی صورت کا مطالعہ تاریخی اور تقابلی لسانیات کی روشنی ہی میں کیا جا سکتا ہے۔ تاریخی اور سیاسی، تہذیبی اور تجارتی اثرات کے ماتحت دوسری زبانوں سے الفاظ کا لین، دین تعلیم اور تربیت کے ماتحت لسانی تبدیلی، قواعد کی پابندی، ادیبوں اور شاعروں کی کوششوں سے استحکام معیار اور عوامی ضروریات کے زیر اثر تلفظ میں تبدیلی نئے الفاظ اور تراکیب کا وجود میں آنا۔ قواعد نویسوں اور علم لغت کے ماہروں کی سخت گیری۔ یہ ساری چیزیں زبان کے ڈھانچے میں تبدیلیاں پیدا کرتی رہتی ہیں اور تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد ہر دور اپنی ضروریات اور محرکات کے زیر اثر اپنی زبان کا معیار بدل دیتا ہے۔ جس وقت یہ تبدیلیاں ہوتی ہیں تمام ثقہ اور معیار پرست لوگ ان تبدیلیوں کی صرف مخالفت ہی نہیں کرتے بلکہ انھیں غلط قرار دیتے ہیں۔ زبان کی خرابی سے تعبیر کرتے ہیں اور جہالت سے موسوم کرتے ہیں لیکن زبان کا دھارا بہتا رہتا ہے۔ جب آٹھویں نویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں عہد وسطیٰ کی آریائی پراکرتوں میں زبردست تبدیلیاں ہونے لگیں اور عوام قواعد کے سانچے میں ڈھالی ہوئی علمی اور ادبی زبان سے گھبرا کر اپنے فطری جذبات کے ماتحت نئے الفاظ بنانے اور بولنے لگے۔ قواعد کے قوانین کو توڑ کر نئی زبان استعمال کرنے لگے تو علما اور قواعد داں چیخ اٹھے اور انھوں نے کہا زبان خراب ہو رہی ہے۔ انھوں نے اس تبدیل شدہ زبان کا نام ''اپ بھرنش'' رکھا جس کے معنی ہیں گرا پڑا۔ انقادہ بگڑا ہوا، لیکن اس بگڑی ہوئی حالت نے بھی شاعر اور ادیب پیدا کیے اور چند صدیوں کے اندر انھیں اپ بھرنشوں کے بطن سے جدید ہند آریائی زبانیں پیدا ہوئیں۔ قدیم پراکرتوں اور اپ بھرنشوں کی تاریخی حیثیت رہ گئی، ان کا رواج جاتا رہا اور ان کے قائم کیے ہوئے لسانی معیار ختم ہو گئے۔ ایسا ہی اس سے پہلے اس وقت بھی ہو چکا تھا جب گوتم بدھ کے زمانے میں سنسکرت کے مقابلے میں عام بول چال کی زبانوں کو علمی اور مذہبی زبان قرار دیا گیا۔ شیکسپیئر کا کلام جب اس

کے مرنے کے بعد بعد چھپا تو بہت سے لوگوں نے سمجھا کہ اسے انگریزی زبان پر عبور نہ تھا۔ چنانچہ بعد میں کئی ایسے ایڈیشن شائع کیے گئے جن میں شیکسپیئر کی اصلاح کر دی گئی تھی۔ اس کا سبب یہی تھا کہ دونوں ادوار کی زبانوں میں اتنا فرق ہو گیا تھا کہ جدید معیار قدیم کو غلط قرار دیتا تھا۔ اس ساری گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ زبان کے تغیر کو غلطی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس کی صحت کا اصل معیار رواج ہے جو امتداد زمانہ کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔

اگر قدیم اردو کے دکنی ادب کا مطالعہ کیا جائے تو صرف موجودہ عہد کی زبان جاننے والوں کو ہر قدم پر حیرت ہوگی۔ اس وقت اردو زبان تشکیل وارتقا کی اس منزل میں تھی جب اظہار خیال کی ضرورت قواعد سے بے نیاز ہو کر الفاظ بناتی ان کی شکلیں بدلتی اور جملوں کو توڑتی ہے۔ زبان اپنے بننے میں قواعد کا انتظار نہیں کرتی نہ علما اور زبان دانوں کی تلاش میں رہتی ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قواعد کی سخت گیری سے زبان کی باڑھ رک جاتی ہے۔ دکنیوں نے سنسکرت چتر سے چترنا (تصویر بنانا) عربی فہم سے فہمنا = فامنا۔ فارسی اندیشے سے اندیشا، ہندی رنج سے رنجانا بنانے میں کوئی دقت محسوس نہیں کی۔ وہ لفظ کی صورتی شکل کو تحریری شکل دینے میں ذرا بھی نہ ہچکچاتے تھے۔ ان کے یہاں صبح کی جگہ صُبا، ملمع کی جگہ ملماوضع کی جگہ وضا ملتا ہے۔ وہ ایک ہی لفظ کو اپنے شعری ضروریات کے لیے کئی طرح استعمال کرتے تھے۔ مثلاً ایک ہی شاعر کے یہاں سورج (اصل سنسکرت لفظ سوریہ) سور، سورتج، سرج اور سورج چار شکلوں میں ملے گا۔ وہ پھلواری کی جگہ گل واڑی، مجلس آرا کی جگہ مجلس سنگار، سایہء رب کی جگہ رب چھاؤں لکھنے میں جھجھک محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس وقت ان باتوں پر کوئی معترض نہیں ہوتا تھا۔ اور یہ زبان کا معیار تھا۔ شمالی ہند میں بھی آگرہ کے دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے دہلی کی اردو کھڑی بولی پر گوالیار، آگرہ، متھرا کی برج بھاشا کا ایسا اثر پڑا تھا کہ اٹھارہویں صدی میں خان آرزو نے ''زبان گوالیری'' سے سندلی اور دلی کی بول چال کے مقابلے میں اسے فصیح قرار دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد جب فارسی سے متاثر اردو شعرا اور محققین نے زبان کا معیار بدلنے کے لیے برج بھاشا سے زبان کو پاک کیا اور متروکات کی وہ لے شروع ہوئی جس نے بہت سے خوبصورت، مناسب اور ضروری الفاظ سے زبان کو محروم کرنا چاہا تو ایک نیا لسانی معیار وجود میں آیا جس کی پابندی دہلی اسکول کے شعرا کرنے لگے۔ دہلی کے یہی شعرا لکھنؤ پہنچے تو تھوڑے ہی دنوں کے اندر لسانی معیار پھر بدلا اور زبان کی مرکزیت کے متعلق ایسی بحثیں شروع ہو گئیں کہ دہلی کی زبان زیادہ فصیح ہے یا لکھنؤ کی۔ جس طرح دہلی والے بولتے ہیں وہ صحیح ہے یا وہ جو لکھنؤ میں مستعمل ہے۔ ان بحثوں میں لوگ محض وقتی معیار کو سامنے

رکھتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ قدما کے یہاں سندیں تلاش کر لیتے ہیں۔ بہت آگے بڑھتے ہیں تو قواعد اور لغت کی کتابیں کھولتے اور فیصلے رکتے ہیں۔ کیا یہ کافی ہے؟

جیسا کہ کہا گیا ہے زبان کا اصل مقصد ترسیل خیال ہے۔ میں کچھ کہوں اور دوسرا سمجھ جائے تو میرے کہنے کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس سے ایک نتیجہ یہ بھی نکالا گیا ہے کہ زبان کے لیے صحیح اور غلط الفاظ استعمال کرنا درست نہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ قابل فہم ہے یا نا قابل فہم یہی زبان کی صحت کا معیار ہے چنانچہ بعض ماہرین لسانیات نے اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر دلچسپ بحثیں کی ہیں۔ ایک بہت ہی اہم جرمن عالم کا خیال ہے کہ صحت زبان کے مسئلہ پر تین نوعیّتوں سے بحث ہو سکتی ہے اول یہ کہ ادبی تاریخی نقطہء نظر اختیار کیا جائے اور قدیم عہد کے ادیبوں کی زبان کی مطابقت ضروری قرار دی جائے۔ تغیر لسانی کے نقطہء نظر سے یہ طریق کار زیادہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ زبانوں کی تاریخ ہر قدم پر تبدیلیوں کا پتہ دیتی ہے۔ دوم یہ کہ جو کچھ بولا جاتا ہے اسے صحیح سمجھ لیا جائے۔ ہر شخص کے پاس قوت گویائی ہے اور وہ اپنے دل کی بات کہہ سکتا ہے۔ اس لیے وہ جو کچھ کہتا ہے ٹھیک ہی کہتا ہے۔ سوم یہ کہ جو بات آسانی سے کہی اور آسانی سے سمجھی جا سکے وہی سب سے زیادہ صحیح ہے۔ زبان کی سب سے بڑی عدالت کسی لفظ، جملے یا محاورے کا عمومی استعمال ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو سمجھ میں نہ آئے وہ غلط ہے۔ یہاں جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ جہاں ایک طرف کہنے والے پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سمجھ کر بات کہے وہاں سننے والے کی پرکھ بھی ضروری ہے۔ یہ اضافی معیار عام گفتگو کے لیے تو تقریباً درست ہے لیکن جب یہ بات چیت کسی اہم پیچیدہ اور فلسفیانہ موضوع پر ہوگی اس وقت سامع کی اہلیت اور صلاحیت پر نظر رکھنا ضروری ہوگا۔ بہر حال کوئی معیار قطعی اور یقینی نہیں معلوم ہوتا۔ ایک دوسری نوعیت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ صحت زبان کے جانچنے کے لیے کئی اور معیار استعمال میں لائے گئے ہیں مثلاً

۱۔ اہم ادیبوں اور عالموں کی سند،

۲۔ جغرافیائی معیار جیسے مختلف مرکزوں کی زبان سے سند حاصل کرنا

۳۔ ادبی معیار،

۴۔ اونچے طبقے کے لوگوں، شریفوں اور بعض اہم خاندانوں کی زبان کو مستند قرار دینا

۵۔ جمہوری اور عمومی معیار، یعنی عوام کی بولی کو درست سمجھنا

۶۔ منطقی معیار یعنی یہ دیکھنا کہ کوئی لفظ یا جملہ معنوی اعتبار سے صحیح ہے یا نہیں، کیونکہ قواعد سے معنوی صحت کا فیصلہ بعض اوقات نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اگر میں یہ کہوں کہ چاند نیلا ہے یا قطب مینار پانچ انچ کا ہے تو قواعد کے اعتبار سے میرے جملوں میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ لیکن حقیقت اور معنی کے اعتبار سے دونوں باتیں غلط ہیں۔

۷۔ جمالیاتی معیار یعنی جو کہنے اور سننے میں اچھا معلوم ہوتا ہے وہی صحیح ہے۔

ان معیاروں کے منطقی اور عملی پہلوؤں پر الگ الگ بحث کی جائے تو ایک ہی نتیجہ نکلے گا کہ ان میں سے کوئی معیار فیصلہ کن نہیں ہے۔ کچھ کے اثرات کسی مختصر علاقے تک محدود ہیں کچھ کے کسی خاص گروہ تک اور کچھ کے کسی خاص عہد تک۔ ہر معیار ہمیں الگ الگ منزلوں تک لے جاتا ہے اور بہت سی نئی بحثوں کے دروازے کھولتا ہے۔

زبانوں کے سلسلے میں عام رجحان یہ رہا ہے کہ وہ ٹوٹ ٹوٹ کر مختلف شاخوں میں بٹتی رہی ہیں۔ بظاہر رجحان فطری معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس انسانوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ ان میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا کی جائے۔ چنانچہ بار بار اس کی کوششیں ہوئی ہیں اور مذہب، سیاست، یا ملک گیری کی خواہش نے ان جذبات کو برابر ہوا دی ہے۔ موجودہ زمانہ چونکہ جمہوری سمجھا جاتا ہے اس لیے یہ کوشش محض عوامی بہبودی کے نام پر کی جارہی ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کی زبان ایک ہوجائے۔ ابھی اس میں کامیابی بہت دور معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت تو یہ حال ہے کہ دنیا کا ہر خطہ جس کے پاس اس کی قومی زبان موجود ہے اس کی حفاظت بڑی قوت اور شدت سے کرنے پر آمادہ ہے۔ ہر گروہ اپنے طور پر اس میں اصلاح کرنے پر تیار ہے لیکن اپنی زبان کو چھوڑنا نہیں چاہتا اس لیے کسی ایک ملک یا گروہ کی خواہش کہ اس کے تمام بولنے والے ایک معیاری زبان بولنے اور استعمال کرنے لگیں دل خوش فہمی پر مبنی ہے۔ اوپر مختلف قسم کی سندوں کا ذکر آچکا ہے۔ ان میں بڑا انتشار ہے۔ ایک ہی شاعر اور ادیب کبھی صحیح لکھتا ہے کبھی غلط، کبھی اعرانہ جواز کے پردے میں عام روایت سے انحراف کرتا ہے۔ میر انیس تک بعض الفاظ اور محاورات کے لیے یہ کہنے پر مجبور ہوتے تھے کہ صاحبو! یہ میرے گھر کی زبان ہے اور ان کی عظمت اور عزت کے پیش نظر لوگ خاموش رہ جاتے ہیں۔

اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ زبان کے معیار اور زبان کے صحت کو عام بول چال اور افہام وتفہیم کے نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے اور اسے ایسی کال کوٹھری میں بند کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے، جس سے اس کا دم گھٹنے لگے۔ ایک ہی زبان مختلف علاقوں میں مختلف لہجوں میں بولی جاتی ہے۔ تلفظ میں فرق ہوتا ہے بعض محاورات لفظوں کی تذکیر وتانیث اور

روزمرہ کی علاقائی زندگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ان پر پابندیاں عائد کرنا درست نہیں کیونکہ ہر علاقے میں لسانی ارتقا یکساں نہیں ہوتا۔ دہلی اور لکھنؤ حکومت کے مرکز بنے، ادیب، شاعر، علما، شرفا اور امرا وہیں اکٹھا ہوئے اور زبان منجھ کر صاف ہوئی۔اس لیے وہ لوگ جو ان مرکزوں تک نہیں پہنچ سکے ان کی بول چال کا ارتقا ایک دوسرے ماحول میں ہوئی۔ ان کے لیے صحت اور غلطی کا وہ معیار نہیں ہوسکتا جو دوسرے ادبی مرکزوں میں رائج ہے۔اس لیے زبان کی صحت کے معاملے میں ہمیں اس سخت گیری سے بچنا چاہیے جو ہر شخص کو کسی مخصوص لہجہ کا پابند بناتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یکسانیت زیادہ سے زیادہ قرب پیدا کرتی ہے اور معنی کے تعین میں مدد دیتی ہے لیکن یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ زبان کے صوری اور لغوی حیثیت کے مقابلے میں اس کی جذباتی اور صوتی حیثیتیں کچھ کم اہم نہیں ہیں۔تلفظ کے معنی لغت سے نہیں معلوم ہوتے۔ استعمال سے معلوم ہوتے ہیں بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسی استعمال کی بنیاد پر لغت میں جگہ پاتے ہیں۔منطق، فلسفہ اور لسانیات کی بحثوں میں ایک جدید علم پیدا ہوگیا ہے جسے Semantics یعنی علم المعانی کہا جاتا ہے۔ سطحی طور پر اس علم میں لفظ کے معنی اور اس کی مختلف تعبیرات سے بحث کی جاتی ہے لیکن اس بات میں بھی اب یہ کوشش ناکام ہوتی نظر آتی ہے کہ سقراط کی طرح ہر لفظ کے معنی معین کر لیے جائیں، پھر بحث ہو بلکہ کہا جاتا ہے کہ ہر لفظ اپنے محل استعمال سے تحریک پیدا کرنے کی قوت سے اردو بولنے والے کے مفہوم تک پہچانے کے لحاظ سے اپنے معنی کا پتہ دیتا ہے۔لفظ میں زندگی اسی وقت آتی ہے جب وہ استعمال کیا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کے استعمال کو استعمال کرنے والے کے نقطۂ نظر سے سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے اور اگر درحقیقت اس لفظ سے اس کے مفہوم تک رسائی نہ ہو تو اسے رد کر دینا چاہیے۔

یہ بحث بہت طویل اور الجھی ہوئی ہے کیونکہ زبانیں ہمیشہ تشکیلی منزل سے گزرتی رہتی ہیں۔ان میں ٹھہراؤ نہیں ہے لیکن پھر بھی اس بات پر غور کرنا مفید ہوگا کہ زبان کی صحت کو قواعد اور لغت کے تابع رکھنا چاہیے یا بولنے اور لکھنے والے کے مافی الضمیر کی ترسیل کے یہ بحث عام بول چال میں بھی اٹھ سکتی ہے اور نہ کرنے کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور کسی نہ کسی کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ میرا شاعری کا تعلق ہے۔اس کے متعلق تو اکثر نقاد متفق الرائے ہیں کہ وہاں خیال زبان کا تابع نہیں۔زبان خیال اور کیفیت کے تابع ہوتی ہے اور شاعر زبان کا تخلیقی استعمال کرتا ہے۔ ہر بڑے شاعر کے یہاں الفاظ نئی معنویت اختیار کرتے معلوم ہوتے ہیں۔لفظ ''گنجینہ معنی کا طلسم'' بن جاتے ہیں اور دشنہ و خنجر کے پردے میں جنبش ابرو اور ناز و غمزے کی کارفرمائی نظر آتی ہے لیکن علمی اور معلوماتی زبان میں اتنی آزادی نہیں ہوتی۔اس لیے مختلف قسم کی

کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ لکھنے والے نے زبان سے کیا کام لیا ہے۔

ان چند سطروں سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ میں زبان کے معاملہ میں مزاج یا لاقانونیت کا حامی ہوں۔ مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ جب ہم صحیح اور غلط کے متعلق فیصلہ صادر کریں تو محض لغت اور قواعد کو سامنے رکھیں بلکہ بہت سے ان پہلوؤں کا جائزہ بھی لیں جو زبان کا معیار بنانے اور بدلنے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ زبان بنی بنائی چیز نہیں ہے بلکہ اس کے بننے کا عمل ہر لمحہ جاری رہتا ہے۔ چاہے ہم اسے محسوس کریں یا نہ کریں۔ یہ عمل کبھی صوتی شکل اختیار کرتا ہے کبھی معنوی، دونوں کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

اکائی نمبر 9: لسانیات اور تنقید

لسانیات اور تنقید ایک سکے کے دو پہلو ہیں جہاں لسانیات میں زبان کی لسانی جہتوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے وہیں تنقید میں ادبی فن پاروں کا تنقیدی نگاہ سے مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔لسانیات اور تنقید کے رشتے کی نوعیت، ایک دوسرے پر انحصار یا دونوں میں باہمی فصل یا ایک دوسرے کے معاون و مددگار یا محض ایک دوسرے کے دست بازوں بننے کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ان امور پر غور وفکر کیا جاتا ہے۔

لسانیات کی مختلف تعریفوں اور قسموں کو ایک لمحہ کے لیے نظر انداز کرتے ہوئے اتنی بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اس کا موضوع زبان ہے اور تنقید کی مختلف تعریفوں اور دبستانوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس کا موضوع ادب ہے۔لہٰذا لسانیات اور تنقید کے رشتے کی نوعیت اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک زبان اور ادب کے رشتے کی وضاحت نہ کی جائے۔اگر یہ سمجھا جائے کہ زبان اور ادب میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ بات اس بنیاد پر تسلیم کی جائے کہ ادب آرٹ کی ایک قسم ہے اور دیگر قسموں جیسے موسیقی، مصوری، رقص کے مقابلے میں ادب کا امتیاز اس کا ذریعہ اظہار، جو زبان ہے تو لسانیات اور تنقید کا موضوع ایک ہو جاتا ہے اور دونوں میں کوئی فصل دکھائی نہیں دیتا، مگر یہ دلیل بے بنیاد ہے۔یہ نہ صرف لسانیات اور تنقید کے ان امتیازات سے لاعلمی ظاہر کرتی ہے جو ان دونوں نے اپنے تاریخی سفر کے دوران میں قایم کیے ہیں۔بلکہ زبان اور ادب کے نازک فرق سے ناواقف ہونے کا ثبوت بھی دیتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ادب کا ذریعہ اظہار یا میڈیم، زبان ہے اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ دوسرے فنون کے مقابلے میں زبان، ادب کا امتیازی وصف بھی ہے۔جس طرح موسیقی کا امتیازی وصف آواز اور مصوری کا رنگ ہے مگر کیا موسیقی اور آواز کو یا مصوری اور رنگ کو مترادف قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو ادب اور زبان میں فرق ہے۔تاہم یہ فرق ویسا نہیں ہے، جیسا آواز اور موسیقی میں ہے یا مصوری اور رنگ میں ہے۔آواز اور رنگ، موسیقی اور مصوری سے باہر آزادانہ طور پر معانی نہیں رکھتے؛ وہ خام مواد ہیں۔جب کہ زبان، ادب سے باہر آزادانہ طور پر نہ صرف معانی رکھتی ہے، بلکہ اپنے آپ میں ایک مکمل ابلاغی نظام اور ثقافتی مظہر ہے۔اس لیے اپنے خام مواد اور میڈیم کو آرٹ کے درجے تک پہنچانے کے لیے جو آسانیاں موسیقار اور مصور کو حاصل ہوتی ہیں، شاعر

ان سے محروم ہوتا ہے۔آرٹ کی تمام شکلوں میں میڈیم کی قلبِ ماہیت کی جاتی ہے۔شاعر کو اپنے میڈیم کی قلبِ ماہیت کرنے میں سب سے بڑی دقّت یہ ہوتی ہے کہ اسے زبان کے حوالہ جاتی فریم ورک کو توڑنا پڑتا ہے۔دوسرے لفظوں میں شاعر سے باہر موجود زبان اور شاعری کی زبان میں فرق ہوتا ہے۔جو شاعر یہ فرق پیدا نہیں کر سکتا، وہ محض کلام موزوں پیش کرتا ہے، شاعری نہیں۔

ان معروضات سے ظاہر ہے کہ زبان اور ادب میں فرق موجود ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اس فرق کی نوعیت کیا ہے؟ کیا یہ فرق نوع کا ہے یا درجے کا؟ اس سوال کا جواب اوپر کی معروضات میں ہی موجود ہے۔ادب زبان کی قلبِ ماہیت کرتا ہے، یعنی زبان کو نشانیاتی سطح پر تبدیل کرتا ہے۔دوسرے لفظوں میں کہیں تو ''نئی زبان'' ایجاد کرتا ہے۔چوں کہ ایجاد کا یہ عمل زبان پر ہی آزمایا جاتا ہے۔اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ دونوں میں صرف درجہ کا فرق ہی پیدا ہوتا ہے۔اس نتیجے کی تہ میں یقیناً زبان کا خاص مفہوم مضمر ہے جس کے مطابق زبان کسی سماجی گروہ کی روزمرہ کی ابلاغی ضرورتوں کی تکمیل کرنے والا نظام ہے۔یہاں لسانیات اور تنقید میں ایک فرق تو آئینہ ہو جاتا ہے کہ تنقید کی دلچسپی اگر زبان سے ہے تو فقط زبان کے اس استعمال سے ہے، جو ادب سے مخصوص ہے اور لسانیات کی دلچسپی زبان یعنی لسانی اظہارات کی جملہ صورتوں سے ہے۔ادب سے لسانیات کو دلچسپی یقیناً ہے، مگر لسانی اظہار کی ایک مخصوص صورت کے طور پر۔

یہاں پر یہ سوال ضرور اٹھایا جا سکتا ہے کہ لسانیات کے نقشے میں تو ادب اور ادبی زبان کو معمولی جگہ دی گئی ہے۔کیا تنقید کے نقشے میں ادبی زبان کے مطالعے کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی ہے؟ افسوس کہ تنقید بھی اس ضمن میں دریا دلی کا مظاہرہ نہیں کرتی ہے۔اس مقام پر لسانیات اور تنقید ادبی زبان کے ماطالعے کے ضمن میں متفق ہیں: دونوں کی مطالعاتی سکیموں میں ادبی ءزبان حاشیے پر ہے۔

کہہ سکتے ہیں کہ ادبی زبان لسانیات اور تنقید کا مرکزی موضوع نہیں ہے لیکن موضوع بہر حال ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا دونوں کا طریق مطالعہ یکساں ہے؟ کیا جن وجود سے لسانیات ادبی زبان کو اپنے نقشے میں غیر اہم جگہ دیتی ہے، انھی وجوہ سے تنقید بھی ادبی زبان کے امتیازات کے مطالعے کو کم اہم سمجھتی ہے؟ جواب نفی میں ہے۔دونوں کے پاس الگ الگ وجوہ ہیں اور انھی وجوہ کی بنا پر لسانیات اور تنقید میں ایک دوسرا فرق آئینہ ہوتا ہے۔

لسانیات زبان کا سائنسی مطالعہ کرتی ہے۔سائنسی مطالعہ تفہیم،وضاحت،توجیہہ اور تجزیے سے غرض رکھتا ہے۔لسانیات ایک عظیم ادیب کی زبان اور ایک عام آدمی کی زبان میں اقتداری فرق نہیں کرتی۔خالص لسانیاتی نقطہ نظر سے غالب کو امام دین گجراتی کی زبان پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔وہ دونوں کے اسلوب میں صرف فرق دیکھتی ہے اور اس صورت حال کو جاننے کی کوشش کرتی ہے جو اس فرق کی ذمے دار ہے جب کہ تنقید کی بنیاد ہی اقدار پر ہے۔تنقید بھی اعظیم فن کار اور چھوٹے فن کار،ادیب اور عام آدمی کی زبان میں فرق دیکھتی ہے لیکن یہ فرق اقداری ہوتا ہے۔چھوٹا ادیب زبان کی جمال آفرینی اور معنی خیزی کے امکانات کو بروئے کار نہیں لاسکتا،جب کہ بڑا ادیب یہ امکانات مجسم کرتا ہے اور عام آدمی ان امکانات کی موجودگی سے ہی بے خبر یا لاتعلق ہوتا ہے۔چوں کہ تنقید ادب کی جملہ جہات کی تفہیم و تعبیر بھی کرتی ہے اور زبان یا اسلوب ادب کی محض ایک جہت ہے،اس لیے وہ اپنے مطالعاتی عمل میں اسے کلیدی حیثیت نہیں دیتی۔

لسانیات اپنے وسیع مفہوم میں سماجی علم ہے۔زبان سماجی تشکیل ہے،لسانیات اس تشکیل کی نوعیت اور اس میں مضمر وکارفرما قوانین اور اس کے ارتقا کا مطالعہ کرتی ہے۔چوں کہ لسانیات کا معروض یعنی زبان،ثقافتی،عمرانی اور ذہنی تشکیلات سے مختلف اور بعض صورتوں میں ان سب پر حاوی ہے،اس لیے لسانیات،دیگر سماجی علوم کے مقابلے میں کچھ مختلف ہوجاتی اور ان پر حاوی بھی ہوجاتی ہے۔اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ لسانیات،بشریات،عمرانیات،تاریخ اور نفسیات کے مقابلے میں تنقید کو اور طرح کی مدد فراہم کرتی ہے۔

آخر ساختیاتی لسانیات میں وہ کیا خاص بات تھی کہ اسے یہ اہمیت ملی؟اس ضمن میں دو نکات توجہ طلب ہیں،ایک یہ کہ ساختیاتی لسانیات نے زبان کی اس تہ نشیں ساخت کی نشان دہی کی،جس کی وجہ سے ہمہ اقسام لسانی کارکردگی ممکن ہوتی ہے۔اس ساخت کو سوسیئر نے لانگ کا نام دیا۔لانگ کی وجہ سے ہی ہم سیکڑوں،ہزاروں جملے اختراع کر سکتے ہیں۔اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ ہر مظہر کی تہ میں ساخت یا لانگ کارفرماں ہوتی ہے۔یہ مظہر کوئی نفسیاتی وقوعہ ہو،کوئی اسطور ہو یا کوئی ادب پارہ ہو یا کوئی خاص فیشن!یہیں سے نشانیات کا باقاعدہ رواج ہوا۔

ساختیات کے مطابق زبان اشیا کو نہیں،اشیا کے ان تصورات کو پیش کرتی ہے جنھیں زبان اپنے مخصوص قوانین کے تحت تشکیل دیتی ہے۔زبان میں اشیا کی طرف اشارہ ضرور موجود ہوتا ہے لیکن یہ اشارہ فطری یا منطقی نہیں،من مانا

اور ثقافتی ہوتا ہے۔ زبان نشانات کا نظام ہے اور ہر نشان نے دوسرے نشان سے فرق کا رشتہ قایم کر رکھا ہے۔ فرق کی وجہ سے ہی تمام لسانی کارکردگی ممکن ہوتی ہے۔ سوسیئر تو یہ تک کہتا ہے کہ زبان میں فرق کے علاوہ کچھ نہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہا جائے تو فرق سے مرتب ہونے والا لسانی نظام دنیا کی ترجمانی کرتا ہے، لہٰذا یہ ترجمانی کامل وفاداری سے ممکن نہیں ہوتی کہ دنیا اور زبان کے درمیان، زبان کا یہ نظام موجود ہوتا ہے۔ ہم زبان کے ذریعہ دنیا کا براہِ راست نہیں زبان کے راستے سے علم حاصل کرتے ہیں زبان میں ہم دنیا کو بہ عینہ ہی نہیں دیکھتے، زبان کے مخصوص قوانین کے تحت تشکیل پانے والی دنیا کو دیکھتے ہیں۔

ساختیاتی لسانیات زبان کے نظام میں فرق کو بنیادی اہمیت دیتی ہے۔ یہ کہ ہر نشان اس لیے بامعنی ہے کہ وہ صوتی، تکلمی اور معنوی سطحوں پر دوسرے نشان سے مختلف ہے، ورنہ کسی نشان میں اپنی معنی خیزی کا کوئی فطری یا منطقی نظام موجود نہیں ہے۔ اس اصول کی رو سے بھی ادبی مطالعات کیے گئے ہیں۔ خصوصاً بیانیات فرق اور اضدادی جوڑوں کو متن کی معنی خیزی کے عمل بنیادی اہمیت کا حامل قرار دیتی ہے۔ ان معروضات سے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ ساختیاتی لسانیات، ادبی متن کے تعبیر و تجزیے میں مدد دینے کے بجائے، ادبی متن کی ساخت کو سمجھنے کا طریقِ کار اور ماڈل فراہم کرتی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ لسانیات متن کی تعبیر و تجزیے کا کوئی نیا طریقِ کار فراہم ہی نہیں کرتی۔

لسانیات اور دیگر علوم کے تعلق سے پیدا ہونے والی لسانیات کی شاخیں جیسے سماجی لسانیات، نفسی لسانیات وغیرہ تنقید کو تعبیر متن کے نئے انداز فراہم کر سکتی ہیں۔ ویسے تو سماجی و نفسی لسانیات کی طرز پر تخلیقی لسانیات کو خالص سائنسی بنیادوں پر قایم کرنے کی ضرورت اور اسے تنقید متن میں بروئے کار لانے کی حاجت ہے۔ تخلیقی لسانیات اسلوبیات سے مختلف ہوگی۔ یہ محض ادب کی زبان کے انفراد و امتیاز کا مطالعہ نہیں کرے گی بلکہ اس نفسی تخلیقی حالت کے تناظر میں ادبی زبان کا مطالعہ کرے گی جو ادب کو وجود میں لانے کی ذمیدار ہے اور جس کے ہاتھوں زبان نحوی سطح پر نئی ترتیب اور معنیاتی سطح پر تقلیب سے ہم کنار ہوتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جیکب سن کے ترسیلی ماڈل پر نظر ثانی کی جائے اور ایک نئے لسانی عنصر کو شامل کیا جائے۔ متکلم کے علاوہ، اپنے باطنی انکشاف کو اہمیت دینے والے تخیلی کردار کو اس ترسیل ماڈل کا حصہ سمجھا جائے۔ یہ کردار تخلیقی عمل کے دوران میں ہی اور لسانی دائرے میں اپنے خدوخال حاصل کرتا ہے۔ تخلیقی لسانیات اس مشترک ساخت کی تحقیق بھی کرے گی جو فرد کی نفسی کیفیت اور سماج کی تہذیبی حالت کو یکساں طور پر متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اکائی نمبر 10: اردو کے اسالیب بیان

انسان کی زندگی میں جب رنج وغم، امید ویاس، کامرانی وشادمانی کا اثر ہوتا ہے تو انسان اس کا اظہار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جب باقاعدہ طور پر کوئی زبان تشکیل نہیں پائی تھی، تہذیب وتمدن سے دنیا ناواقف تھی تو انسان اپنی کیفیات واحساسات کو مختلف اشارات اور بہ معنیٰ آوازوں کے ذریعہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے وہ ترقی کی منزلیں طے کرتا گیا ان احساسات کو ظاہر کرنے کے لیے بہ معنی الفاظ کی تشکیل بھی ہوتی گئی۔

اپنے دلی جذبات وکیفیات کے اظہار کے لیے انسان نے مختلف انداز بیان، راگ اور راگنیاں اختیار کیں، ابتدا میں ان راگنیوں کے اندر فقط تمام صورتوں کا نشیب وفراز ہوتا تھا لیکن بعد میں جب الفاظ سے کام لیا جانے لگا تو کیفیت تبدیل ہوگئی۔ اسی نوع سے مصوری نے بھی ترقی کی، مصوری میں ایک یہ خامی ہے کہ اس کے ذریعے انسانی جذبات کے کسی ایک مخصوص پہلو کا نقشہ کھینچا جاسکتا ہے، دوسرے تمام پہلو تاریکی میں رہتے ہیں مثلاً ایک شخص غمگین ہے وہ کسی وقت اپنی تھوڑی ہاتھ پر رکھ کر بیٹھا ہوگا اور نگاہیں خود بہ خود کسی طرف جم گئی ہوں گی جیسے کسی نامعلوم شے کو دیکھ رہا ہو، کبھی پیشانی ہتھیلی پر رکھ کر جھک جائے گا اور کبھی سرد آہیں بھرے گا۔ مصوری ان تمام کیفیات کو ایک تصویر میں نہیں سما سکتی، بلکہ ان مختلف کیفیات میں سے کسی ایک پہلو کا نقشہ کھینچ سکتی ہے اگر چہ وہ عمدہ وبہترین کیوں نہ ہو۔

اُردو میں ادبی اسلوب کے مطالعے کے ابتدائی نمونے تذکروں میں ضرور ملتے ہیں اور بیان وبلاغت پر موجود کتابوں میں اسلوب کے مطالعے کے لئے ہدایات بھی درج ہیں البتہ یہ روایتی نوعیت کے ہیں۔ اس مطالعے کا ترقی یافتہ روپ پروفیسر محی الدین قادری زور کے یہاں نظر آتا ہے۔ بقول پروفسر نصیر احمد خان ''انہوں نے قدیم روِش سے ہٹ کر ایک نیا اندازِ فکر اپنایا ہے۔ جو ان کی کتاب ''اردو کے اسالیب بیان'' میں نظر آتا ہے۔ اس کتاب کو اسلوب کے مطالعے کے روایتی اندازِ فکر اور سائنٹفک طریقہ کار کی درمیانی کڑی کہا جاسکتا ہے۔ البتہ اردو میں اسلوبیاتی تنقید کا باضابطہ آغاز 1960ء کے آس پاس ہوا اور اس کی بنیاد پروفیسر مسعود حسین خان کے مضامین اور مقالات سے پڑی ہے۔

اکائی نمبر 11: کرخنداری اردو کی صوتی ساخت

اردو کی بولیوں کو مجموعی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی لسانی بولیاں، سماجی بولیاں اور علاقائی بولیاں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اردو مختلف لسانی ماحولوں میں بولی جاتی ہے ان میں کشمیری، پنجابی، بنگالی، مراٹھی، سندھی، بلوچی، گجراتی، کنڑ، تیلگو اور عربی کے علاقے خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ اردو کی ساخت پر ان زبانوں کے لسانی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ نتیجتاً اردو کی مختلف لسانی بولیاں اُبھر کر سامنے آتی ہیں مثلاً کلکتہ اردو، کشمیری اردو، بمبی اردو، پنجابی اردو، مراٹھی اردو، دکنی اردو وغیرہ۔

جہاں تک اردو کی سماجی بولیوں کی بات ہے وہ نسلی امتیازات، طبقاتی تفریق اور پیشوں کے علاوہ دوسری سماجی نوعیّتوں مثلاً تعلیم، عمر، جنس وغیرہ سے جڑی ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے اردو کی لسانی ساخت کی جو بدلی ہوئی شکلیں سامنے آئیں، انھیں سماجی بولیوں کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جیسے مزدوروں کی زبان، اعلیٰ طبقے کے مہذب افراد کی زبان، ناخواندہ لوگوں کی زبان، کم تعلیم یافتہ طبقے کی زبان وغیرہ۔

یہاں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ جب ہم کسی بولی کو سماجی، لسانی اور علاقائی کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ ان وجہوں میں سے کسی ایک کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے۔ کسی بولی کے جنم لینے میں مختلف عوامل کام کر سکتے ہیں جو بیک وقت سماجی اور علاقائی ہی ہو سکتے ہیں۔ سماجی و لسانی بھی اور انھیں لسانی و علاقائی بھی کہا جا سکتا ہے۔ دراصل جب کسی بولی کو لسانی کہا جاتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بولی کسی زبان کے مخصوص لسانی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی بولی کے وجود میں آنے میں سماجی محرکات زیادہ اہم ہیں تو وہ سماجی بولی کہلائے گی۔

کرخنداری اردو سماجی بولیوں میں ایک بولی شمار ہوتی ہے۔ یہ ہندوستان کی دارالسلطنت دہلی کے ان علاقوں میں بولی جاتی ہے جسے کبھی شاہجہاں آباد کہا جاتا تھا۔ اسے فصیل شہر کی زبان بھی کہا جاتا ہے جس میں پرانی دہلی کے اردو بازار، کباڑی بازار، مٹیا محل، چتلی قبر، سوئی والان، محلّہ قبرستان، کوچہ پنڈت، کوچہ چیلان، لال کنواں، بازار سیتا رام، فراش خانہ، رودگراں، گلی قاسم جان، بلّی ماران، ترکمان گیٹ، لاہور گیٹ، بارہ ٹوٹی، صدر بازار، تیلی واڑہ، پہاڑ گنج

وغیرہ محلّے خصوصتاً قابل ذکر ہیں۔ان علاقوں کا ہر مسلم گھرانہ اردو کو اپنی مادری زبان کہتا ہے جو دہلی کی شہری آبادی کا تقریباً ۶ فیصد ہے۔اردو بولنے والوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا گروہ وہ ہے جو نسل در نسل دہلی میں رہتا چلا آ رہا ہے اور جس کا تعلق سماج کے نچلے طبقے یعنی مزدوروں کی کلاس سے ہے اور دوسرے گروہ میں اعلیٰ اور نچلے متوسط طبقے کے وہ لوگ آتے ہیں جو یہاں کے پرانے شہری ضرور ہیں لیکن تعلیمی اور معاشی اعتبار سے ان کی حیثیت دوسری ہے۔دہلی کے مزدور پیشہ مسلمانوں کی زبان کو کرخنداری کے نام سے پکارا جاتا ہے، یہ بولی نہ صرف سماج کے ایک مخصوص طبقے سے متعلق ہے بلکہ اس پر مختلف سماجی دباؤ بھی پڑتے ہیں اور اسی لیے اسے اردو کی ایک سماجی بولی کہا جاتا ہے۔کرخنداری کے صحیح اور مستند مواد کی فراہمی کے لیے خود اس کے بولنے والے ہیں جنھیں پچاس سے اوپر کی عمروں کا کہا جا سکتا ہے۔نئی نسل پنجابی اور ہندی وغیرہ سے متاثر نظر آتی ہے۔جو مواد تحریری شکل میں یا کیسٹوں میں دستیاب ہے وہ فنکاروں کی مدد سے حاصل کیا گیا ہے اس لیے معیاری نہیں ہے۔کرخنداری کی تاریخی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس نے قدیم اردو کی ساخت کے متعدد عناصر محفوظ رکھے ہیں۔اگر کرخنداری، دکنی اور معیاری اردو کی ساخت کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اردو کے ارتقا کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑ سکتی ہے۔

کرخنداری اپنی ساخت کی ہر سطح پر کچھ ایسے عناصر رکھتی ہے جیسے اردو کے مقابلے میں بہ آسانی پہچانا جا سکتا ہے۔یہی امتیازات ہیں جن کی بنیاد پر اسے اردو کی ایک بولی کہا جاتا ہے۔ان تبدیلیوں کی نوعیت کیا ہے؟ وہ کون سے لسانی دباؤ ہیں جن کی وجہ سے تغیرات رونما ہوئے ہیں۔لسانی امتیازات کی حیثیت بنیادی ہے یا ذیلی اور انھیں کن اصولوں کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے؟ وغیرہ۔یہ ایسے سوالات ہیں جن کا ذکر ایک الگ موضوع ہے۔ذیل میں کرخنداری کی صرف چند لسانی خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔

صوتی سطح پر اردو کے مقابلے میں کرخنداری کے بعض مصمّتوں اور مصوتوں کا تلفظ بدلا ہوا ملتا ہے، جیسے حلقی بندشی مصمتے؛ لب دندانی، دندانی، مسوڑی، تالوی اور حلقی صفیری مصمّتے وغیرہ جو مخارج اور طریق ادائیگی کے اعتبار سے اردو سے الگ ہیں۔مصوتوں کے تلفظ کے وقت زبان کے مختلف حصوں کے عمل، ان کا مختلف ڈگریوں میں اٹھنا اور ہونٹوں کا مدوّر ہونا اور غیر مدوّر ہونا ایسی چیزیں ہیں جہاں کرخنداری میں عربی و فارسی ق، خ، غ، ف، و، ز، ڑ اور ہ مصمتوں کا تواتر بھی کم ہے۔ان میں ہ مصمتہ تو بہت ہی کم استعمال ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اردو میں لفظ کی تینوں نشستوں

میں مصمتّے جس کیفیت کے ساتھ آتے ہیں کرخنداری میں اکثر کی کیفیت بدلی ہوئی ہے۔یہی حال مصمتی خوشوں کا بھی ہے۔رکنوں کی ساخت بھی بڑی حد تک بدلی ہوئی ملتی ہے۔

کرخنداری میں اردو الفاظ کے ساتھ تماثل Assimilation تقلیب Metathesis، ابتدائی الحاق Prothesis، خوشی تدخیل Anapthesis اور حذف صورت نکرر Hyplology وغیرہ جیسے سوتی عمل کا ہونا ایک عام بات ہے۔یہ عمل خاص طور سے عربی و فارسی االفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔الفاظ میں ان سوتی عملوں کی چند مثالیں اس طرح ہیں:

بدصورت (اردو)	بس صورت (کرخنداری)
لکھنوء (اردو)	نکھلوء (کرخنداری)
دَرد (اردو)	دَرَد (کرخنداری)
شہادت (اردو)	شادت (کرخنداری)

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رکنوں میں مضمتّے جوڑ دیے جاتے ہیں، جیسے اچانک (اردو)، اچانچک (کرخنداری) وغیرہ۔اردو کے ،اے،او، وسطی مصوتے لفظ کی آخری نشست میں کرخنداری میں زبان کی قدرے گری ہوئی لمبائی کے ساتھ تلفظ ہوتے ہیں۔رکنوں میں ''بل'' Stress کی کیفیت بھی بدلی ہوئی ملتی ہے جو مختلف صوتی ماحولوں کی تابع ہے۔

صرفی سطح پر بھی متعدد تغیرات کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔مثال کے طور پر غیر فاعلی حالت میں ضمیروں کا واحد اور جمع میں فرق، جیسے ''اس'' اور ''ان'' (اردو) ''وس'' اور ''ون'' (کرخنداری)، ''انھوں نے (اردو) ''ونوں نے'' (کرخنداری)، ''مجھ، تجھ (اردو) ''مج، تج'' (کرخنداری) وغیرہ۔بعض جگہ ایسی بھی مثالیں مل جاتی ہیں۔جہاں دونوں میں واحد اور جمع بنانے کے طریقے مختلف ہیں۔مستقبل کا فعلِ امدادی ''گا'' کرخنداری میں ''آں'' ہو جاتا ہے۔اس فرق کی نوعیت تکلّمی بٹوارے کی ہے۔کرخنداری اور اردو میں ''وقت''، ''جگہ'' اور ''سمت'' کی ضمیروں کے اشتقاقی عمل میں بھی فرق ہے، جیسے جدی (جبھی)، کدی (کبھی)، ''یاں واں، جاں، کاں'' (یہاں، وہاں، جہاں اور کہاں)؛ اِدر، وِدر، یئیں اور وئیں (اِدھر، اُدھر، یہیں اور وہیں) وغیرہ۔کرخنداری میں ایسے سابھی مل جاتے ہیں۔جو ''جنس'' کے اعتبار سے اردو

سے مختلف ہیں۔عددی صفتیں بھی کسی حد تک مختلف ہیں، جیسے ''اکتّر''، ''اِکاون''، ''اِکتالِس'' اور ''چودا'' وغیرہ۔

نحوی سطح پر الفاظ کی ترتیب، ان کی ایک دوسرے سے مطابقت اور فقروں کی توسیع میں بھی کسی حد تک فرق دیکھا جا سکتا ہے۔فقروں کی تشکیل میں اضافت کا رواج کرخنداری میں نہیں ہے اور نہ ہی اردو کی طرح اس بولی میں حرف ربط کے طور پر ''واؤ'' کا استعمال ہوتا ہے، زیادہ تر جملوں کی ساخت سادہ ہے۔ لمبے جملے نسبتاً کم ہیں۔ جہاں ایسی مثالیں ملتی ہیں وہ ساخت کے اعتبار سے عمومی پیچیدہ اور مرکب نہیں ہوتے۔

اردو اور کرخنداری میں لفظی سطح پر بھی نمایاں فرق ہے جو دو طرح کا ہوتا ہے۔کرخنداری میں خاصے اردو الفاظ صوتی تغیرات کے ساتھ تلفظ ہوتے ہیں، ایسی مثالیں بھی مِل جاتی ہیں جنھیں ہم خالص کرخنداری کا لفظی سرمایہ کہہ سکتے ہیں۔ان دونوں طرح کے الفاظ کی چند مثالیں اس طرح ہیں:

(الف) اردو کے وہ الفاظ جو صوتی تغیر کے ساتھ کرخنداری میں استعمال ہوتے ہیں:

درکت (درخت)، جگہ (جگہ)، تھنڈا (ٹھنڈا)، م َسجد (مسجد)، پھتّر (پتھر)، سیل (سیر)، مّل (کمبل)، چقو (چاقو)، قبوتر (کبوتر) بدام (بادام)، اگاڑو (آگے) وغیرہ۔

(ب) خالص کرخنداری کے الفاظ:

لمڈا (لڑکا)، ہلہلا (تحریک)، کھنڈک (خلل)، منادگی (ممنوع)، رسان (آہستہ)، دھیانئ (اجرت)، تڑی (جرات)، ناواں (رقم)، مخریز (مذاق) اور ٹر وغیرہ۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ کرخنداری بولنے والے عام طور پر مختلف پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ان کے یہاں اپنے اپنے پیشوں کے مطابق متعدد اصطلاحیں بھی ملتی ہیں۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جس کا ذکر کرخنداری کے لفظی سرمائے میں ناگزیر ہے۔اس کے علاوہ یہاں جو بات ہماری توجہ کا باعث بنتی ہے وہ اس بولی میں عربی و فارسی کے الفاظ یا فقروں کا غلط تلفظ یا ان کا غلط استعمال ہے۔ یہ عمل بھی کرخنداری کو اردو کی ایک بولی کہلانے میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

بے فضول، دراصل میں، انشاء اللہ اگر اللہ نے چاہا، پا پیادہ پیدل چل کر، لبِ جمنا کے کنارے، ماہِ رمضان کا مہینہ، اللہ کے واسطے، سنگِ مرمر کا پتھر اور چندے آب چندے ماتاب وغیرہ۔

اکائی نمبر12: زبانوں کی نوعیتی اور خاندانی گروہ بندی

یورپ اور ہندوستان کی زبانیں تین بڑے بڑے خاندانوں میں تقسیم کی گئی ہیں۔

۱۔ ہندجرمانی ۲۔ سامی ۳۔ تورانی

۱۔ ہندجرمانی خاندان میں حسب ذیل شاخیں ہیں۔

۱۔ (ہندوستانی) انڈک ۲۔ ایرانی ۳۔ کلٹک ۴۔ اطالوی

۵۔ ٹیوٹانی ۶۔ سلانی ۷۔ یونانی ۸۔ اِلی رک

ان میں سے پہلی دو زبانیں ہندوستان میں پائی جاتی ہیں۔

۲۔ سامی زبان حسب ذیل زبانوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ عربی ۲۔ عبرانی ۳۔ ارامی

چوں کہ ہندوستان میں کوئی سامی زبان نہیں بولی جاتی اس لیے اس کے متعلق کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں۔

۳۔ تورانی خاندان دو شاخوں میں منقسم ہے، جنوبی اور شمالی۔ یہاں صرف جنوبی شاخ سے ہمارا مطلب ہے۔ جس میں حسب ذیل قسمیں شامل ہیں۔

۱۔ تھائی یا سیامی ۲۔ ہمالیائی ۳۔ لوہیتی ۴۔ کول

۵۔ دراوڑی

ہندجرمانی شاخ:

اس قسم کی سب سے قدیم نمایندہ زبان، وید کی زبان ہے۔ یہی ادبی سنسکرت کی سب سے قدیم شکل ہے۔ اس کے بعد کلاسکی سنسکرت کی باری آتی ہے۔ جس کے بعد ہم عصر پراکرت یعنی وہ بگڑی ہوئی زبان ہے جو غالباً اس وقت کی ہندوستانی عوام بولتی تھی۔ یہ سنسکرت کی بگڑی ہوئی شکل کے سوا کچھ اور نہیں ہے اس کی کئی شاخیں ہیں جو مختلف سوبوں کے نام کی مناسبت سے پکاری جاتی ہیں، گو یہ بات مشکوک ہے کہ جن صوبوں کے نام سے وہ منسوب ہیں ان سوبوں میں بھی

بولی جاتی ہیں یا نہیں۔انھیں میں کی ایک ماگدھی یا مگدھ یعنی موجودہ جنوبی بہار کی بولی ہے جو مشہور مصلح ''گوتم بدھ'' کی مادری زبان تھی اس وجہ سے وہ ان ملکوں کی مقدس زبان بن گئی جہاں بدھ مذہب پروان چڑھا۔وے ۳۴۵ ق م میں اسے خاص طور سے سیلون لے گیا اور یہ پالی کہلائی۔اس زبان میں کافی عمدہ مواد موجود ہے۔اسی طرح پراکرت کی ایک بولی سوسینی ہے جو دہلی اور آگرہ کے گردونواح میں بولی جاتی ہے اور یہی جینی فرقہ کی مقدس زبان بن گئی۔جینی عام طور سے مارواڑی ہوتے ہیں۔موجودہ زمانے میں اس شاخ کی حسب ذیل زبانیں پائی جاتی ہیں۔:

۱۔ہندی ۲۔بنگالی ۳۔پنجابی ۴۔سندھی ۵۔مراٹھی ۶۔گجراتی

۷۔نیپالی ۸۔اُڑیہ ۹۔آسامی ۱۰۔کشمیری ۱۱۔ڈوگری

ہندی کی بولیاں تعداد میں بہت ہیں جن میں خاص طور پر قابل ذکر چند یہ ہیں۔

۱۔میتھلی پورنیہ اور ترہٹ کے علاقہ میں بولی جاتی ہے۔

۲۔ماگدھی جنوبی بہار۔

۳۔بھوجپوری شاہ آباد، سارن، چمپارن، گورکھپور، مشرقی اودھ اور بنارس میں۔

۴۔کوسالی اودھ اور روہیل کھنڈ میں۔

۵۔برج بھاشا اوپری دوآبہ، آگرہ اور دہلی میں۔

۶۔قنوجی نچلے دوآبہ میں۔

۷۔راج پوت بولیاں (راجستھانی) راج پوتانہ میں، ان کی تعداد بہت ہے۔

۸۔بندیلی بولیاں چمبل ندی سیسون ندی تک۔

پنجابی کی بہت سی بولیاں ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ پنجاب میں ہر ضلع کی بولی الگ ہے اور بعض ضلعوں میں ایک سے زیادہ بولیاں ہیں۔

سندھی حسب زیل بولیوں میں تقسیم ہوئی ہے۔:

۱۔ اوپری سندھ کی سراہی

۲۔ نچلے سندھ کی لار

۳۔ ملتان کی اُچّ

۴۔ کچھ کی کچّھی

مراٹھی کی چار بولیاں ہیں۔:

۱۔ کونکنی رتنا گری اور ساحلی علاقوں میں

۲۔ دکنی

۳۔ گومان تکی سوانت داری کے قریب بولی جاتی ہے۔مقامی طور پر اسے کدالی کہتے ہیں۔

۴۔ خاندیسی

گجراتی کی تین بولیاں ہیں جو علی الترتیب ہیں۔

۱۔ سورت اور بھڑوچ میں

۲۔ احمد آباد میں اور

۳۔ کاٹھیاواڑ میں بولی جاتی ہیں۔

اصل نیپالی کو پربتیا یا پہاڑی کہتے ہیں۔تھورے تھوڑے فرق سے حسب ذیل بولیاں بولی جاتی ہیں۔:

۱۔پلپا ۲۔کمایونی ۳۔گڑھوالی ۴۔تھارو

ایرانی:

اس خاندان کی زبانوں کی اصل ژند یا فارسی، قدیم ہے۔سنسکرت سے اس کا قریبی تعلق ہے۔ژند نے گو کثرت استعمال سے مذہبی تقدس کی حیثیت اختیار کر لی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کسی زبان کا نام نہیں ہے فارسی قدیم میں کچھ تحریریں تھیں جنھیں ژنداوستا کہا جاتا تھا۔یہ تحریریں منظوم تھیں۔ہر شعر کے دو حصے ہوتے ہیں۔اوستا یعنی تین اور ژند یعنی اس کی شرح۔جب تین کی زبان مٹنے لگی تو شرح کی زبان نے اہمیت اختیار کر لی اور یہ نام نہ صرف تصنیف کا مشہور ہو گیا بلکہ وہ زبان بھی اسی نام سے موسوم ہو گئی جس میں یہ شرح لکھی گئی تھی۔اس تصنیف کے بعض حصوں کے متعلق جنھیں 'گاتھا' کہا جاتا ہے یہ خیال ہے کہ انھیں زردشت اسپت مانے یا خود زردشت نے لکھا ہے۔ہندوستانی شاخ میں جو حیثیت سنسکرت کی ہے ایرانی میں وہ ژند کی ہے۔اسی طرح پہلوی، ہزوارش اور دوسری زبانیں جو ژند اور فارسی

جدید کے درمیان میں ہیں ویسی ہی ہیں جیسے ہندوستانی میں پرا کرتیں۔ جدید زبانیں حسب ذیل ہیں۔:

۱۔فارسی ۲۔کردی ۳۔پشتو ۴۔اوسی تینی ۵۔آرمینی

ان زبانوں کی تفصیلات میں جانا جو ہندوستان کی سرحد کے باہر بولی جاتی ہیں بے سود ہے۔اسی سبب سے اس خاندان کی باقی ماندہ زبانوں کا ذکر بھی بے کار ہے۔اب ہم تورانی ذکر کرتے ہیں۔

تورانی شاخ:

تورانی خاندان کی جنوبی شاخیں: پہلی قسم تھائی یا سیامی ہے جس میں یہ زبانیں شامل ہیں:

۱۔ سیامی یا تھائی، سیام میں بولی جاتی ہے۔

۲۔ کھویا کمبوجن، کمبوجا میں۔

۳۔ لاؤس سوطی سیام میں۔

۴۔ کھامتی، برما میں۔

۵۔ مون، پیگو میں

۶۔ شان، تناسرم میں

۷۔ پلاؤنگ، شمالی برما میں

ان کے علاوہ اور بھی زبانیں ہیں جو برطانوی نوآبادیات اور برطانوی احاطہ اثر سے باہر ہیں۔

دوسری قسم ہمالیائی ہے جیسے میکس مولر نے تحت ہمالیائی کہا ہے۔اس میں یہ زبانیں ہیں:

۱۔بھوٹیا یا بھوٹانٹا ۲۔لیپچا، سکّم میں

۳۔لمبو سکّم میں ۴۔کراتی، وادیِ ارن اور مشرقی نیپال میں

۵۔مُرمی، مشرقی نیپال اور بلند سلسلہ ؟ کوہ میں ۶۔گرنگ، اسی علاقہ میں

۷۔نیوار، وسطی نیپال میں ۸۔ماگار، نشیبی سلسلہ کوہ اور وسطہ نیپال میں

۹۔برامہو، نشیبی سلسلہ کوہ اور وسطی نیپال میں ۱۰۔چی پانگ

۱۱۔دایو یا ہایو

۱۲۔کنڈا، یہ تینواودھ کی ترائی میں بولی جاتی ہے۔ہایومشرقی نیپال میں بھی پائی جاتی ہے

۱۳۔سُنوار،مغربی نیپال میں ۱۴۔سرپا،مغربی نیپال میں

۱۵۔کناوری یاملچان ۱۶۔تبرسکاد

۱۷۔ہندیسی ۱۸۔دراہی یادورہی

۱۹۔دندان ۲۰۔پہری

۲۱۔کسوار ۲۲۔پکھیا

۲۳۔تک سب زبانیں وسطی نیپال میں بولی جاتی ہیں۔

مندرجہ بالا زبانیں ہمالیائی یا تحت ہمالیائی ہیں۔ماورائے ہمالیائی کا ذکر دائرہ تحریر سے باہر ہے۔یہ بھی ذین نشین کرلینا چاہیے کہ یہ سب تبّتی کی بولیاں ہیں یا اس سے قریبی تعلق رکھتی ہیں۔

تورانی شاخ کی تیسری قسم لوہتی یا برمی ہے۔اس میں حسب ذیل زبانیں شامل ہیں:

۱۔برمی ۲۔دھی مل، نیپال اور بھوٹان کی ترائی میں۔

۳۔می چی، نیپال اور بھوٹان کی ترائی میں ۴۔بورو، کاچرمین

۵۔گارد، گارد کی پہاڑیوں میں ۶۔اکا

۷۔ابور ۸۔مشمی

۹۔میری ۱۰۔ڈوفلا

(۶) نمبر سے لے کر (۱۰) تک آسام کی شمالی سرحد پر بولی جاتی ہیں۔

۱۱۔کسیا ۱۲۔میکر ۱۳۔انگامی ۱۴۔ناگا ۱۵۔سنگ فو

(۱۱) سے لے کر (۱۵) تک آسام کی جنوبی سرحد پر بولی جاتی ہیں۔

۱۲۔کوکی، چٹاگانگ کے شمال میں اور ٹپراوغیرہ میں ۱۷۔مگ ۱۸۔کھومیا

۱۹۔مَرو ۲۰۔سک ۲۱۔تنگلو

۲۲۔روکھینگ۔

(۱۷) سے (۲۲) تک اراکان میں بولی جاتی ہیں۔

۲۳۔دریائے کولادن کی بولیاں، تعداد میں بہت ہیں ۲۴۔متی پوری بولیاں

۲۵۔کورنگ بولیاں ۲۶۔کارن بولیاں۔

چوتھی قسم کول ہے جس میں یہ زبانیں شامل ہیں۔:

۱۔سنتھال ۲۔کول ۳۔بھومیج ۴۔منڈل، چھوٹا ناگپور میں۔ ۵۔کوئی ہاں یا ہو

۶۔کھونڈ، سمبھل پور وغیرہ میں ۷۔گونڈ ۸۔اوراؤں، سرگوجا میں ۹۔راج محلی۔

پانچویں یعنی دراوڑی قسم میں حسب ذیل زبانیں ہیں۔:

۱۔تلگو ۲۔تامل ۳۔کنڑی ۴۔لمیالم ۵۔تُولُو ۶۔کُدگو

۷۔تودو ۸۔بودوگر ۹۔اِرُولار ۱۰۔کوہاتر ۱۱۔براہوئی

۱۲۔سنگھالی

اکائی نمبر 13: علمِ ہجا واملا (حروف تہجی، حروف تہجی کے ملاپ کا طریقہ، اعراب وحرکاتِ ثلاثہ، جزم، تشدید، مد، تنوین)

ساخت

13.1 سبق کا مقصد

13.2 سبق کا تعارف

13.3 علمِ ہجا واملا (حروف تہجی، حروف تہجی کے ملاپ کا طریقہ، اعراب وحرکاتِ ثلاثہ، جزم، تشدید، مد، تنوین)

13.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات

13.5 امدادی کتب

13.1 سبق کا مقصد

بیسویں صدی کے آخری چند برسوں اور اکیسویں صدی کے آغاز میں دنیا بھر میں مواصلاتی ٹیکنالوجی یعنی کمپیوٹر، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون، موبائل، لیپ ٹاپ وغیرہ نے بہت تیز رفتاری سے ترقی کی ہے۔ اوراس کے پھیلاؤ کی یہ رفتار مسلسل جاری ہے۔ اس انقلابی تبدیلی سے دنیا بھر میں انسانی معاشروں پر جو مثبت ومنفی اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کا اثر ہمارے سماج، ادب اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بھی بہت گہرا ہوا ہے۔ اس تیز رفتاری کے زیر اثر دنیا بھر کی زبانیں بھی تبدیلیوں کی زد میں ہیں۔ زبان دراصل اس بس یا ٹرین کی مانند ہے جس پر تھوڑے فاصلے کے بعد مسافر سوار ہوتے ہیں یا اترتے رہتے ہیں۔ یعنی معاشرے میں نئے خیالات وافکار یا نظریات، سیاسی تبدیلیوں، کاروباری

ضروریات، مختلف ایجادات اوران کے استعمال کے ساتھ ساتھ نئے نئے الفاظ زبان میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ کچھ الفاظ رفتہ رفتہ استعمال ہونا کم ہوجاتے ہیں۔اور کچھ کا استعمال عام ہوجاتا ہے۔اُردو زبان بھی اس عمل سے دوچار ہے۔ اکیسویں صدی کے تعلیمی نظام میں طلباء کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اُبھارنے کے لئے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جہاں Singing, Drawing, Symposium, Clay Modling, Photography, Debates, Painting, Poster Making, Quiz اور مشاعرے وغیرہ جیسے مقابلے اہمیت کے حامل ہیں۔ وہاں لسانی مہارتوں Listening, Speaking, Reading اور Writing کی بھی افادیت مسلّم ہے۔لہٰذا کسی بھی زبان سے مکمل واقفیت حاصل کرنے کے لئے جہاں اُس زبان کے قواعد کا جاننا ضروری ہے وہاں اس زبان کا املا اور دیگر بنیادی باتوں سے واقفیت رکھنا بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔تاکہ طلبا صحیح سننا، صحیح بولنا، صحیح پڑھنا، صحیح لکھنا سیکھ سکیں۔

13.2 سبق کا تعارف

زبان، ذریعہ ہے اپنے خیالات واحساسات کو دوسروں تک پہنچانے اور سمجھانے کا۔ ہر زبان کو درست طریقے سے سیکھنے، بولنے، لکھنے اور پڑھنے کے کچھ اصول، ضابطے، قاعدے، طور، طریقے اور قوانین ہوتے ہیں۔زبان کی درستی اور اس کی خوبصورتی کو برقرار رکھنے کے لئے ان قوانین پر عمل درآمد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ان قوانین یا اصولوں کو ''قواعد، علم القواعد یا قواعدِ زبان'' کہا جاتا ہے۔انگریزی میں قواعد کو Grammar کہتے ہیں۔قواعد یا گرامر، لسانیات کی ایک اہم شاخ ہے اور اس کا مطالعہ زبان پہ دسترس حاصل کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔اُردو زبان کے قواعد درج ذیل ہیں۔

13.3 علمِ ہجاواملا (حروفِ تہجی، حروفِ تہجی کے ملاپ کا طریقہ، اعراب وحرکاتِ ثلاثہ، جزم، تشدید، مد، تنوین)

علمِ ہجا میں اُردو زبان کے حروف کی تفصیل اور بحث کا ذکر ہوتا ہے۔اس علم کا موضوع ''حرف'' ہے۔ہجا کے معنی ہیں حروف کو الگ الگ کرنے اور ان کے ہجے کرنے کی واقفیت کے ہیں۔اصطلاح میں حرفوں کو ملانے اور الگ الگ ان کی ضروریات جاننے کے ہیں۔اس علم کی غرض یہ ہے کہ حرفوں کا صحیح پڑھنا اور مرکب کرنا آجائے۔علمِ ہجا میں حروف کی آوازوں اور ان کی حرکات وسکنات سے بھی بحث کی جاتی ہے۔حروفِ ہجا وہ حروف ہیں جن سے کوئی زبان بنتی ہے۔اردو میں ان حروف کو ''حروفِ تہجی'' کہتے ہیں۔

ہر زبان کچھ تحریری علامات اور نشانات پر مشتمل ہوتی ہے۔یہ علامات اور نشانات حروف کہلاتے ہیں۔جیسے:۔

ا،ب،ج،د،ڑ،س،ط،ل،م،ن،ی،وغیرہ۔ان حروف کو ''حروفِ ابجد'' کہتے ہیں۔

حروف کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔مفرد حروف ۲۔مرکب حروف

☆ مفرد حروف جو ''اب پ'' سے شروع ہوکر ''ے'' پر ختم ہوتے ہیں۔

☆ مرکب حروف دو حرفوں کے میل سے ایک مرکب آواز پیدا کرتے ہیں۔انہیں ہکاری حروف بھی کہتے ہیں مثلاً

بھ پھ تھ

علمِ صرف:

علم صرف میں الفاظ کی بناوٹ، کانٹ چھانٹ اور طریقۂ استعمال کا ذکر ہوتا ہے۔اس کا موضوع ''لفظ'' ہے۔یعنی یہ وہ علم ہے جو لفظوں کی بابت ہمیں بتاتا ہے۔اس میں الفاظ کی تقسیم، ایک لفظ کا دوسرے الفاظ سے تعلق، قواعد کے لحاظ سے لفظ کی اپنی حیثیت یا اس کی تبدیلی وغیرہ سے جو نئی صورت پیدا ہوتی ہے۔ان سب کا ذکر ''علمِ صرف'' میں ہوتا ہے۔یعنی یہ قواعد کا وہ حصہ ہے جس میں جملوں اور مرکبات کی بجائے، فقط الفاظ کے بارے میں بحث کی جاتی ہے،

ان کی ساخت، بناوٹ اور معانی کی وضاحت کی جاتی ہے اور صرف الفاظ کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔

علمِ نحو:

علمِ نحو وہ علم ہے جس کے ذریعے جملوں کی ساخت، بناوٹ اور اجزا کے آپسی تعلقات کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ اس علم کا موضوع ''جملہ'' ہے۔ اسی کے ذریعے جملوں کی باہمی ترتیب و تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جملوں میں فاعل، فعل، مفعول، مبتدا اور فعل ناقص وغیرہ ہوتے ہیں انہیں کی ترتیب اور جملے کی مجموعی حیثیت کے جاننے کا نام ''علمِ نحو'' ہے۔

علمِ عروض:

علمِ عروض میں فنِ شاعری کے قاعدے، اصول، بحروں، وزن اور قافیہ وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کا موضوع ''شعر'' ہے۔

علمِ بلاغت:

علمِ بلاغت میں صنائع و بدائع اور لفظی اور معنوی خوبیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس علم کا موضوع ''علمِ بدیع اور علم بیان'' ہے۔

اِملا:

کسی بھی زبان کو لکھنے کی معیاری صورت یا بناوٹ کو اس زبان کا رسمِ خط / Script / r˜rv کہتے ہیں اور رسمِ خط کے مطابق کسی بھی لفظ (Word) میں حروف (Alphabets) کی ترتیب کا صحیح تعیّن یعنی حروف کو مخصوص انداز میں جوڑنا اور پھر اُسی ترتیب کے لحاظ سے اُس لفظ میں شامل حروف کی صورت اور اُن کے جوڑ، نشست، دائرے، نقطے اور شوشے کے جانے پہچانے معیاری طریقے کو اُس زبان کا اِملا (Dictation) کہا جاتا ہے۔ اُردو املا، فارسی رسم الخط میں لکھا جاتا ہے۔ جس کی اصل عربی رسم الخط ہے۔ فارسی والوں نے عربی کا رسم الخط ''نسخ'' ہی مستعار لے کر اپنی ضروریات کے مطابق اس میں ترمیم و اضافہ، ردوبدل اور تبدیلیاں کر کے اسے ایک شکل دی۔ جسے ''نستعلیق'' کہتے ہیں۔

اردو کا رسم الخط ''نستعلیق'' پشتو، سندھی اور کشمیری کے علاوہ ہندوستان کی کسی زبان کا رسم الخط نہیں ہے۔ رسمِ خط (script) اور اِملا (dictation) میں وہی نسبت ہے جو ایک پھول اور اُس کے رنگ و بو میں ہوتی ہے۔ اُردو سیکھنے کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ حروفِ تہجّی (Alphabets) کی اچھی طرح پہچان کی جائے۔

مختلف قسم کی سادہ آوازیں جو کسی زبان کے الفاظ کی ترکیب میں استعمال ہوتی ہیں۔ اور جن کو جوڑ کر کوئی لفظ بنایا جاتا ہے اور لفظ کے الگ الگ ٹکڑے کر کے پھر اپنی شکل میں لایا جا سکتا ہے۔ ایسی آوازوں کو ظاہر کرنے کے لئے ہر زبان میں کچھ مخصوص علامتیں ہوتی ہیں، سادہ آوازیں جن علامتوں کے ذریعے لکھی جاتی ہیں۔ انہیں حروف کہتے ہیں۔ حروف کے مجموعے کو ''حروفِ تہجی'' کہتے ہیں۔ ہماری زبان اُردو، فارسی، عربی اور پرانی ہندوستانی بولیوں سے مل کر بنی ہے، اس لئے اس میں کئی زبانوں کے حروف پائے جاتے ہیں۔

اُردو زبان میں کُل اکاون (۵۱) حروفِ تہجی ہیں جن میں سے اڑتیس (۳۸) مفرد اور تیرہ (۱۳) مرکب ہیں۔ اُردو زبان، ہندی اور انگریزی کے مدّ مقابل Opposite direction i.e from right to left یعنی دائیں سے بائیں لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ اُردو کا ہر حرف اپنی ایک مخصوص آواز رکھتا ہے مثال کے طور پر ب (B)، پ (P)، ک (K) اور ن (N) وغیرہ کو ہم اگلے صفحات میں دیکھ سکتے ہیں۔

حروفِ تہجی

اُردو میں حروف کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ مفرد حروف ۲۔ مرکب حروف

۱۔ مفرد حروف: مفرد حروف صرف ایک حرف پر مشتمل ہوتے ہیں:۔ جیسے

ا

ب پ ت ٹ ث

ج چ ح خ

د ڈ ذ ر ڑ ز ژ

س ش ص ض

ط ظ ع غ

ف ق ک گ ل

م ن و ہ ھ (ءٔ) ی ے

۲۔مرکب حروف:

یہ حروف دو حروف مل کر ایک حرف بناتے ہیں۔جیسے:

بھ پھ تھ ٹھ

جھ چھ

دھ ڈھ ڑھ

کھ گھ

لھ نھ

حروف بلحاظ حرکات

تلفظ یا صوتی لحاظ سے اُردو میں حروف کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ حروف علّت:

الف،واؤ اور ی(ا،و،ی) وہ حروف ہیں جن کے ملانے سے الفاظ میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔جیسے: ب +ا = با، س+ی = سی وغیرہ۔حروف علّت کو انگریزی میں Vowels کہتے ہیں۔

۲۔ حروف صحیح:

وہ حرف جو کسی حرفِ علت یا علامتِ حرکت (زبر،زیر،پیش) کے بغیر آپس میں مل کر کوئی آواز پیدا نہیں کر سکتے ہیں۔جیسے ب،پ،ت،ج،س،د،م،ن وغیرہ۔حروف صحیح کو انگریزی میں Consonants کہتے ہیں۔

سادہ آوازیں جن علامتوں کے ذریعے لکھی جاتی ہیں۔انہیں حروف کہتے ہیں۔حروف کے مجموعے کو

''حروفِ تہجی'' کہتے ہیں۔ ہماری زبان اُردو، فارسی ،عربی اور پرانی ہندوستانی بولیوں سے مل کر بنی ہے،اس لئے اس میں کئی زبانوں کے حروف پائے جاتے ہیں۔حروف تہجی کل ۳۸/مانے گئے ہیں اور وہ اس طرح ہیں۔

ا ب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و ہ ھ ء ی ے۔

(۱) ث۔ح۔ذ۔ص۔ض۔ط۔ظ۔ع۔ف (یہ خالص عربی زبان کے حروف ہیں۔)

(۲) ٹ۔ڈ۔ڑ یہ بالکل ہندی حروف ہیں۔فارسی عربی میں نہیں آتے۔

(۳)خ۔ف۔ق۔غ ہندی میں نہیں آتے۔

(۴)چ۔گ۔ژ خالص فارسی حروف ہیں۔یہ عربی میں نہیں آتے۔

(۵) کچھ لوگوں نے ہندی کے حروف، بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ اور نھ کو شامل کر کے حروفِ تہجی کی تعداد ۵۱ بتائی ہے۔ایک طرح یہ حروف دو سادہ آوازیں ہیں جو مل کر ایک ہوگئی ہیں۔

(۶) حروف تہجی مختلف آوازوں کی علامتیں ہیں۔ان کی ادائیگی کے وقت گلے کی سانس ہوا کے ساتھ ملتی ہے۔زبان، تالو، ہونٹ، دانت اور منہ کے اندرونی حصے کی مدد سے آواز میں مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

(۷)اردو کا کوئی حرف گونگا نہیں۔یعنی ہر حرف اپنی آواز دیتا ہے چاہے وہ اکیلا ہو یا دوسرے کے ساتھ ملا ہو۔

حروفِ تہجّی کی استعمالی آواز:

Alphabet with Pronunciation	استعمالی آواز/Transcription	
A	Alif	ا۔
B	Bay	ب۔
P	Pay	پ۔
t	tay	ت۔
T	Tay	ٹ۔
S	Say	ث۔

J	Jeem	ج۔
Ch	Chay	چ۔
H	Hay	ح۔
Kh	Khay	خ۔
d	daal	د۔
D	Daal	ڈ۔
Z	Zaal	ذ۔
r	ray	ر۔
R	Ray	ڑ۔
Z	Zay	ز۔
Zh	Zhay	ژ۔
S	Seen	س۔
Sh	Sheen	ش۔
S	Swad	ص۔
Z	Zawd	ض۔
T	Toe	ط۔
Z	Zoe	ظ۔
A	Ain	ع۔
Gh	Ghain	غ۔
F	Fay	ف۔
Q	Qaaf	ق۔

ک۔	KeefU	K	
گ۔	Gaaf	U	G
ل۔	Laam	L	
م۔	Meem	M	
ن۔	Noon	N	
و۔	Vao	W O	
ہ۔	hay	h	
ھ۔	Do chasmi hay	h	
ء۔	Hamza	A	
ی۔	Ye	Y	
ے۔	Ye	Y	

☆☆☆

مُرکّب حروف Compound letters

☆ اِن حروف کی شکل وصورت ہمیشہ ایک جیسی رہتی ہے۔

	Compound letter with pronunciation	Transcription/ استعمالی آواز
بھ۔	Bhey	Bh
پھ۔	Phey	Ph
تھ۔	They	Th
ٹھ۔	They	Th

جھ۔	Jhey	Jh
چھ۔	Chey	Ch
دھ۔	Dhey	Dh
ڈھ۔	Dhey	Dh
ڑھ۔	Rhey	Rh
کھ۔	Khey	Kh
گھ۔	Ghey	Gh
لھ۔	☆	
نھ۔	☆	

☆ اِن دونوں مُرکّب حروف کا بہت کم استعمال ہوتا ہے۔

☆☆☆

حروفِ تہجّی کے ملاپ کا طریقہ

☆ یاد رہے کہ حروفِ تہجّی کو آپس میں جوڑتے وقت کچھ حروف کی شکلیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔یعنی اُردو میں کسی لفظ کو بنانے کے لئے انگریزی کی طرح حروف الگ الگ نہیں لکھے جاتے بل کہ چھوٹی شکلوں کو ایک دوسرے سے ملا دیتے ہیں۔بعض حروف ایسے بھی ہیں جنہیں ملا کر نہیں لکھتے مثلاً: ا د ڈ ذ ر ڑ ز ژ و ایسے ہی حروف ہیں جن کے بعد آنے والے حروف جوڑ کر نہیں لکھے جاتے۔

حروفِ تہجّی کی استعمالی صورت

ا۔

ا + ن + ا + ر = انار

ش + ا + ل = شال

ل + ا + ت = لات

ب۔

ب + س = بس

ب + ا + پ = باپ

ب + ہ + ر + ا = بہرا

پ۔

پ + ہ + ر + ہ = پہرہ

پ + و + د + ہ = پودہ

پ + ا + س = پاس

ت۔

ت + ر + ک = ترک

ت + ہ + و + ا + ر = تہوار

ت + ا + ج = تاج

ٹ۔

ٹ + و + پ + ی = ٹوپی

ٹ + م + ا + ٹ + ر = ٹماٹر

ٹ + ا + ٹ = = ٹاٹ

ث۔

ث + ا + ب + ت = ثابت

ث + م + ر = ثمر

ث + و + ب = ثوب

ج۔

ج + و + ت + ا = جوتا

ج + ہ + ا + ز = جہاز

ج + ا + ن = جان

ف + ا + ل + ج = فالج

چ۔

چ + و + ر = چور

چ + ہ + ر + ہ = چہرہ

چ + ا + ک = چاک

ل + ا + ل + چ = لالچ

ح۔

ح + ا + ل = حال

ح + ر + ف = حرف

ص + ا + ل + ح = صالح

خ۔

خ + و + ف = خوف

خ + ا + ص = خاص

ب + ط + ط + خ = بطّخ

د۔

د + س = دس

ض + د = ضِد

ب + ا + د + ل = بادل

ڈ۔

ڈ + ا + ل = ڈال

ا + ن + ڈ + ا = انڈا

ہ + ی + ڈ = ہیڈ

ذ۔

ذ + ا + ت = ذات

غ + ذ + ا = غذا

ک + ا + غ + ذ = کاغذ

م + ح + ا + ذ = محاذ

ر۔

ر + ا + ج = راج

چ + ا + ر = چار

ش + ر + ا + ب = شراب

ڑ۔

ک + ڑ + و + ا = کڑوا

ب + ڑ + ا = بڑا

ل + ڑ + ک + ی = لڑکی

ز۔

ز + ب + ا + ن = زبان

ب + ز + ا + ز = بزاز

آ + و + ا + ز = آواز

ژ۔

ژ + ا + ل + ہ = ژالہ

ا + ژ + د + ہ + ا = اژدہا

ک + ژ + د + م = کژدم

س۔

س + ا + گ + ر = ساگر

سُ + س + ت = سُست

سُ + س + ر + ا + ل = سُسرال

ش۔

ش + ا + م = شام

ک + و + ش + ش = کوشش

ش + و + ق = شوق

ص۔

ص + ا + ب + ن = صابن

خ + ص + ل + ت = خصلت

ح + ر + ی + ص = حریص

ض۔

ض + ا + م + ن = ضامن

ح + ض + و + ر = حضور

م + ر + ی + ض = مریض

ط۔

ط + و + ط + ا = طوطا

م + ط + ل + ب = مطلب

ط + ا + ل + ب = طالب

ق + ح + ط = قحط

ظ۔

ظ + ا + ل + م = ظالم

م + ظ + ل + و + م = مظلوم

ظ + ر + ف = ظرف

ل + ف + ظ = لفظ

ع۔

ع + ا + ر + ف = عارف

م + ع + ص + و + م = معصوم

ض + ل + ع = ضلع

غ۔

غ + ا + ر + ت = غارت

م + غ + ر + ب = مغرب

ب + ا + ل + غ = بالغ

ف۔

ف + ا + ر + م = فارم

س + ف + ر = سفر

ش + ر + ی + ف = شریف

ق۔

ق + ا + ب + ل = قابل

ع + ق + ل = عقل

م + ش + ق = مشق

ک

ک + و + ٹ = کوٹ

ک + ا + غ + ذ = کاغذ

ف + ک + ر = فکر

ا + ے + ک = ایک

گ۔

گ + ر + م = گرم

گ + ا + ج + ر = گاجر

م + گ + ن = مگن

ر + ن + گ = رنگ

ل۔

لَ + ب = لَب

نَ + ل = نَل

مُ + ل + ک = مُلک

م۔

م + ا + ر = مار

مُ + ہ + ر + ہ = مُہرہ

ع + م + ر = عمر

ق + س + م = قسم

ن۔

ن + و + ک = نوک

ن + ا + م = نام

ن + ہ + ر = نہر

ض + ا + م + ن = ضامن

و۔

و + ا + ر + ث = وارث

ج + و + ت + ا = جوتا

ع + و + ر + ت = عورت

ہ۔

ہ + ا + ر = ہار

ہ + و + ٹ + ل = ہوٹل

ج + ہ + ا + ز = جہاز

ح + ل + ق + ہ = حلقہ

ھ۔ اِس کی صورت کبھی نہیں بدلتی ہے۔

د + ھ + ن = دھن

د + ھ + و + پ = دھوپ

ڈ + ھ + و + ل = ڈھول

ء۔ اِس کا استعمال عام طور پر (و، ی، ے) کو کھینچ کر پڑھنے کے لئے ہوتا ہے۔ دوسرے حروف کے ساتھ بھی اِس کا جوڑ ہوتا ہے یہ علامتِ اضافت sign of constract phrase کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً شعبہء اُردوٗ، سکّہء رائج

آ + ء + و = آوٗ

آ + ء + ے = آئے

گ + ا + ء + ے = گائے

ی۔

اِس کو یائے معروف کہتے ہیں۔ یائے معروف وہ ی جِس سے پہلے حرف کے نیچے زیر ہو اور وہ خُوب ظاہر کر کے پڑھا جائے جیسے

عِ + ی + د = عِید

جِ + ی + و + ن = جِیون

چِ + ی + ل = چِیل

ے۔

اِس کو یائے مجہول کہتے ہیں۔ یائے مجہول وہ ے جس کے پہلے حرف کی زیر کو خوب ظاہر کر کے نہ پڑھا جائے جیسے

ع + ے + ب = عیب

ک + ے + لا + ا = کیلا

ج + ے + ل = جیل

☆☆☆

مُرکّب حُروف کی استعمالی صورت Using of compound letters

بھ۔

بھ + ا + ر + ت = بھارت

بھ + ا + ل + و = بھالو

پھ۔

پھ + ل = پھل

پھ + ٹ = پھٹ

تھ۔

تھ + ا + ل = تھال

تھ + و + ک = تھوک

ٹھ۔

ٹھ + و + ک + ر = ٹھوکر

ٹھ + ن + ڈ = ٹھنڈ

جھ۔

جھ + ا + گ = جھاگ

جھُ + و + ٹ = جھُوٹ

چھ۔

چھ + ا + ت + ا = چھاتا

م + چھ + چھ + ر = مچّھر

دھ۔

دھ + ر + ت + ی = دھرتی

دھ + ڑ + ک + ن = دھڑکن

ڈھ۔

ڈھ + و + ل = ڈھول

ڈھ + ب = ڈھب

ڑھ۔

پ + ڑھ = پڑھ

ب + و + ڑھ + ا = بوڑھا

کھ۔

کھ + ے + ل = کھیل

کھ + ا + ٹ = کھاٹ

گھ۔

گھ + ا + س = گھاس

گھ + و + ڑ + ا = گھوڑا

لھ۔

دو + لھ + ا = دولھا

چ + و + لھ + ا = چولھا

نھ۔

مُ + نھ = مُنھ

ن + نھ + ا = ننھا

☆ اِن دونوں مُرکّب حروف کا بہت کم استعمال ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اِعراب:

اُردو زبان کے لکھنے، بولنے اور سمجھنے میں اِعراب بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اِعراب کے بغیر اُردو کے تمام حروف گونگے، بہرے اور بے جان ہوکر رہ جاتے ہیں۔ اِعراب ہی الفاظ کے معنی ومفہوم تک پہنچاتے ہیں۔

نام/Name	علامت/Symbol	
زَبر	Zabar	َ
زِیر	Zer	ِ
پیش	Pesh	ُ
مد	Madd	ٓ
تشدید	Tashdid	ّ
تنوین	Tanveen	ً

زَبر کی پہچان (َ) zabar

(َ) ۔اِس علامت کی شکل ترچھی لکیر کی سی ہے جو حروف کے اُوپر آتی ہے۔اِس کی مترادف آواز A یا y ہوتی ہے۔عربی میں اسے ''فتحہ'' کہتے ہیں۔اور جس حرف کے اوپر زبر ہو اسے مفتوح کہتے ہیں۔ Zabar mark is put over the letter

اَب۔ اَب۔

تَب۔ تَب۔

جَگ۔ جَگ۔

نَل۔ نَل۔

خَط۔ خَط۔

پَر۔ پَر۔

چَل۔ چَل۔

ٹَپ۔ ٹَپ۔

بَل۔ بَل۔

بَس۔ بَس۔

☆☆☆☆☆

زِیر کی پہچان (ِ) Zer

(ِ)۔ زِیر کی علامت ایک ترچھی لکیر ہے جو حرف کے نیچے آتی ہے۔اِس کی مترادف آواز i یا R ہوتی ہے۔ عربی میں اسے ''کسرہ'' کہتے ہیں۔اور جس حرف کے نیچے زیر ہو اسے مکسورہ کہتے ہیں۔ A small slanting mark called Zer below the letter

کِن۔ کِن

اِس۔ اِس

دِل۔ دِل

بِل۔ بِل

ٹِن۔ ٹِن

فِق۔ فِق

دِن۔ دِن

کِس۔ کِس

اِن۔ اِن

گِر۔ گِر

☆☆☆☆☆

پیش کی پہچان (ُ) Pesh

ہوتی ہے۔عربی میں اسے ''ضمہ'' کہتے W یا U(ُ)۔ یہ علامت حرف کے اُوپر آتی ہے۔اِس کی مترادف آواز Pesh is put over the letter. ہیں۔اور یہ علامت جس حرف کے اوپر ہوا سے مضموم کہتے ہیں۔

تُم۔ تُم۔

چُن۔ چُن۔

اُن۔ اُن۔

اُس۔ اُس۔

کھُل۔ کھُل۔

گُل۔ گُل۔

دُم۔ دُم۔

گُ ن۔ گُن۔

پُ ل۔ پُل۔

بُ ن۔ بُن۔

کُ ل۔ کُل۔

نوٹ: آپ یہ جان چکے ہیں کہ کسی آواز کو لکھنے کے لئے حروف کا استعمال کرتے ہیں۔ حروف کو دو حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ (ا) وہ حروف جو دوسرے حرفوں کی مدد کے بغیر کوئی حرکت نہ کرسکیں۔ حروف صحیح کہلاتے ہیں۔ (۲) وہ حروف جو حرکت پیدا کرتے ہیں، ایسے حرفوں کو حروفِ علت کہتے ہیں۔

ا۔ و۔ ی حروف علت ہیں۔ حرکت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ہلکی یا بھاری، ہلکی آواز پیدا کرنے کے لئے تین نشانیوں سے مدد لی جاتی ہے۔ یہ نشانیاں (زبر) (زیر) اور (پیش) کہلاتی ہیں۔ ان نشانیوں یا علامتوں کو اعراب یا

حرکاتِ ثلاثہ کہتے ہیں۔

۴۔ جزم (ْ):

یہ علامت حرف کے اُوپر آتی ہے۔ اس کا دوسرا نام ''سکون'' ہے۔ (رازْ، سردْ، شکالْ، مقصدْ، عاملْ) قوسین میں لکھے ہوئے لفظوں کے آخری حرف ز، د، ل، پر، زیر، زبر، پیش کی علامت نہیں ہے بلکہ ایک دوسری علامت (ْ) جزم

یا سکون ہے، سکون کے معنی ہیں ٹھہراؤ۔ جس حرف پر زبر، زیر یا پیش میں سے ایک بھی علامت نہ ہو ایسے حرف کو ساکن کہتے ہیں اردو میں ہر لفظ کا آخری حرف ساکن ہوتا ہے۔ جس حرف پر جزم ہے اس میں حرکت نہیں ہوتی بلکہ اس سے پہلے والا حرف اپنے اعراب کے مطابق اس کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔

مد کی پہچان (~) Madd

(~)۔ یہ علامت لہر دار لکیر کی صورت میں ہمیشہ الف کے اُوپر لگائی جاتی ہے۔ اِس کی مترادف آواز Aa یا yt ہے۔ اور جس الف پر یہ علامت آتی ہے اسے ممدودہ کہتے ہیں۔ Madd mark is put over the letter esp.A

آس	Aas
آپ	aap
آم	Aam
آب	Aab
آج	Aaj
آن	Aan
آگ	Aag
آف	Aaf
آڑ	Aar
آل	Aal
آے	Aay

تشدید کی پہچان (ّ) Tashdid

(ّ): یہ تین دندان والی علامت حرف کے اُوپر لگائی جاتی ہے اور جس حرف کے اُوپر یہ علامت ہو وہ حرف دو بار پڑھا جاتا ہے ایک تو اپنے سے پہلے آنے والے حرف کے ساتھ اور دوسری بار آگے آنے والے حرف کے ساتھ۔ اور جس حرف پر تشدید لگتی ہے اسے ''مشدّد'' کہتے ہیں۔

The little omega sign called Tashdid , used at the top of the letter , e.g., ABBA It is a doubler i.e it means if you have to say Abba (father) B twice, the first b is half pronounced.

۱۔اَب بَ ا۔	اَبّاَ	۲۔کُ ت تَ ا۔	کُتّا
۳۔بِ ل لِ ی۔	بلّی	۴۔گ ن نَ ا۔	گنّا
۵۔مِ ٹ ٹِ ی۔	مِٹّی	۶۔حُ ق ق ہ۔	حُقّہ
۷۔ک چ چَ ا۔	کچّا	۸۔چَ ک کِ ی۔	چکّی
۹۔مُ دد ت۔	مُدّت	۱۰۔بَ چ چَ ہ۔	بچّہ

☆☆☆☆☆☆

تنوین کی پہچان (ً)Tanveen

(ً): اگر کسی لفظ کے آخر میں الف(ا) کے اُوپر دو زَبر اً لگائے جائیں تو وہ الف نون (ن) کی آواز دے گا۔ جسے تنوین کہتے ہیں۔ عام طور پر دو زبر لگانے کے لئے لفظ کے آخر میں ایک الف بڑھانا پڑتا ہے اس کے اُوپر دو زبر لگتے ہیں اور وہ الف کے بجائے نون کی آواز دیتا ہے۔ جیسے ''فور'' سے ''فوراً'' (فورن) اور ''عمل'' سے ''عملاً'' (عملن) اس طرح کی چند درج ذیل مثالیں پیش ہیں۔

ج واب جواب + اً = جواباً
ے ق ی ن یقین + اً = یقیناً
ات ت ف اق اتفاق + اً = اتفاقاً
ض رورت ضرورت + اً = ضرورتاً
ن س ب ت نسبت + اً = نسبتاً
ع ادت عادت + اً = عادتاً
ف طرت فطرت + اً = فطرتاً
م ث ل مثل + اً = مثلاً
ق درت قدرت + اً = قدرتاً

☆☆☆☆

اکائی نمبر 14: تشکیلِ الفاظ (مفرد، لاحقے، امتزاجی، ترکیب نحوی) تشکیلِ الفاظ

تشکیل کے لغوی معنی ''شکل بنانا'' ہیں۔ یعنی ہم اُردو زبان کو سیکھتے وقت حروف کی ساخت، ترکیب اور بناوٹ سے الفاظ کیسے شکل بناتے ہیں۔ یہ عمل ''تشکیلِ الفاظ'' کہلاتا ہے۔

دو حروف کا جوڑ

(دو حرفی)

Formation of two letters

دو حرفوں کا جوڑ

نَ ل	نَل
بَ س	بَس
رَ ب	رَب
مَ ت	مَت
چَ ل	چَل
رَ س	رَس
تَ ک	تَگ

☆☆☆☆☆☆

تین حروف کا جوڑ

(سہ حرفی) Formation of three letters

تین حرفوں کا جوڑ

ق ل م	قلم
پ ک ڑ	پکڑ
ک ام	کام
ش ی ر	شیر
ری ل	ریل
ب اغ	باغ
ن اک	ناک
ت اش	تاش
چ ال	چال
چ م ک	چمک
وط ن	وطن

☆☆☆☆☆☆

چار حروف کا جوڑ

(چہار حرفی) Formation of four letters

چار حرفوں کا جوڑ

ب رت ن	برتن
ک پ ڑا	کپڑا
م ک ان	مکان
چ ان د	چاند
پ اگ ل	پاگل

م ل م ل	ململ
ک س رت	کسرت
م خ م ل	مخمل
اچ ک ن	اچکن
ش ب ن م	شبنم

سابقے اور لاحقے

اصل ''لفظ'' کے پیچھے یا آگے (پہلے یا بعد) میں لفظ جوڑ کر نیا لفظ بنایا جاتا ہے۔ اسے سابقہ اور لاحقہ کہتے ہیں۔

ذیل کے جملوں پر دھیان دیجیے:

- پیاس کی شدت نے بے چین کر دیا۔
- نالائق بیٹا باپ کی عزت خاک میں ملا دی۔
- مکان گرنے کا حادثہ عجب غم ناک ہے۔
- بدکار کی صحبت سے دور رہو۔

ان دیئے ہوئے جملوں میں بے چین، نالائق، غم ناک اور بدکار لفظوں پر غور کیجئے۔ یوں تو ہر لفظ ایک ہی ہے لیکن درحقیقت یہ کسی دوسرے لفظ سے مل کر بنے ہیں اس قسم کے لفظ مرکب ہوتے ہیں۔ اب ان کی بناوٹ پر غور کیجئے۔ (بے چین) بے + چین، (نالائق) نا + لائق۔ ان دونوں میں اصل لفظ چین اور لائق ہے۔

''بے'' اور ''نا'' ان لفظوں کے بالترتیب پیچھے آئے ہیں۔ اس طرح بے چین اور نالائق مرکب لفظ ہیں۔ اسی طرح: ''غم ناک'' میں اصل لفظ ''غم'' ہے۔ ناک لفظ اس میں جوڑا گیا ہے۔ اور 'بد' کے ساتھ ''کار'' ملا کر بنایا گیا ہے۔

مثال نمبر ا میں ''بے'' اور ''نا'' سابقے،

مثال نمبر ۲۔ میں ''ناک'' اور ''کار'' لاحقے ہیں۔

سابقے:

سابقے کسی لفظ کے پہلے آتے ہیں، جیسے:۔

نا . ناسمجھ، نادار، ناوقت، ناچار، نالائق، ناخوش، نادان۔

بے . بے پرواہ، بے ہوش، بے اثر، بے دِل، بے مثل، بے صبر، بے ڈھب

کم . کمزور، کم اصل، کمیاب، کم عقل، کم گو۔

پا . پاجامہ، پابند، پازیب، پامال

در . درگزر، در پردہ، درکار، در پے

ہم . ہم رنگ، ہم سفر، ہم جماعت، ہم سن، ہم نوالہ، ہم پیالہ، ہم نشین، ہم راز

نو . نونہال، نوعمر، نوگرفتار، نوآبادی، نورنگ، نوشہ۔

ہر . ہر روز، ہر جا، ہر دل عزیز، ہر کارہ، ہر سو۔

لا . لاُبالی، لاوراث، لاریب، لازوال، لامکان، لایعنی۔

لاحقے:

لاحقے اصل لفظ کے بعد میں آتے ہیں۔ جیسے:۔

باز جاں باز، دغا باز، ہوا باز، گرہ باز۔

خواہ خیر خواہ، دلخواہ، خاطر خواہ، بہی خواہ۔

دان قدر دان، سائنس دان، ریاضی دان، مزاج دان۔

بخش خطا بخش، صحت بخش، زر بخش، نفع بخش۔

پسند دل پسند، شہرت پسند، ترقی پسند، شرارت پسند۔

چین نکتہ چین، خوشہ چین، گل چین، عیب چین۔

زدہ آفت زدہ، غم زدہ، قحط زدہ، ستم زدہ۔

کار　　دست کار، فن کار، کاشت کار، بدکار، اہل کار۔

دار　　قرض دار، زمین دار، دکان دار، چوب دار۔

امتزاجی، تصریف یا لفظی ترکیب:

اب تک لفظ اور اس کی مختلف قسموں، صورتوں اور حالتوں کے متعلق معلومات حاصل کر چکے ہیں۔ ہم جو بات کرتے ہیں دراصل وہ مختلف لفظوں کا ایک سلسلہ ہے۔ یہ لفظ جب ایک ساتھ آتے ہیں تو آپس میں کچھ تعلق بھی رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہر لفظ اپنی جگہ ایک حیثیت رکھتا ہے۔ قواعد کے اصول پر مختلف الفاظ کی جداگانہ حیثیت پہچاننے کو لفظی ترکیب یا تعریف کہتے ہیں۔

ترکیب لفظی یا ترکیب صرفی کے وقت مندرجہ ذیل باتوں کا دھیان رکھئے۔

۱۔ کوئی لفظ اسم یا ضمیر یا صفت یا فعل یا تمیز فعل یا حرف ہوگا۔

۲۔ اگر کوئی لفظ اسم ہے تو پھر یہ معلوم کیجئے کہ اس کی قسم، جنس، تعداد اور حالت کیا ہے؟

۳۔ وہ لفظ ضمیر ہے تو پھر یہ معلوم کیجئے کہ اس کی قسم جنس، تعداد اور حالت کیا ہے؟

۴۔ وہ لفظ صفت ہے تو پھر یہ معلوم کیجئے کہ اس کی قسم، جنس، تعداد اور حالت کیا ہے؟

۵۔ وہ لفظ فعل ہے تو پھر یہ معلوم کیجئے کہ اس کی قسم، جنس، تعداد اور حالت کیا ہے؟ نیز یہ بھی معلوم کیجئے کہ اس میں کون سا زمانہ پایا جاتا ہے۔ اس کا فاعل یا مفعول کیا ہے؟

۶۔ اگر کوئی لفظ حرف ہے تو اس کی قسم کیا ہے؟

مثال نمبر (۱) ذیل میں ترکیبِ لفظی کی مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

جملہ　:　بچے میدان میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔

تصریف　:　بچے　:　اسم عام، مذکر، جمع، حالت، فاعلی۔

میدان　:　اسم عام، ظرفِ مکان، مذکر، مؤنث۔

میں　:　حرف جار، (اس کا مجرور میدان ہے۔

کرکٹ : اسم عام، مؤنث، واحد۔

کھیل رہے تھے : فعل متعدی، مذکر، جمع، ماضی ناتمام

مثال نمبر۲: میرے ہمجولیوں میں ایک لڑکا مجید نام کا تھا۔ (ترکیب صرفی)

میرے ضمیر شخصی متکلم، مذکر، واحد، حالت اضافی۔

ہمجولیوں اسم جمع، مذکر، جمع۔

میں حرفِ ربط۔

ایک صفتِ عددی، مذکر، واحد۔

لڑکا اسم عام، مذکر، واحد۔

مجید اسم خاص، مذکر، واحد، حالت خبری۔

نام کا تھا فعل ناقص، مذکر، واحد، حالتِ خبری۔

اکائی نمبر 15: علمِ صرف

(اجزائے کلام : اسم ،ضمیر، صفت، تمیزفعل اور فعل کا تعارفی مطالعہ ۔ اسم خاص اور اسم عام ۔ضمیر کی قسموں تعارف، فعل کی اقسام، فعل لازم ،فعل متعدی، فعل تمام، ،ضارح، فعل حال ، ماضی مستقبل، فعل معاون، فعل مرکب)

علم صرف میں الفاظ کی بناوٹ ، کانٹ چھانٹ اور طریقۂ استعمال کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کا موضوع ''لفظ'' ہے۔یعنی یہ وہ علم ہے جو لفظوں کی بابت ہمیں بتاتا ہے۔اس میں الفاظ کی تقسیم، ایک لفظ کا دوسرے الفاظ سے تعلق، قواعد کے لحاظ سے لفظ کی اپنی حیثیت یا اس کی تبدیلی وغیرہ سے جو نئی صورت پیدا ہوتی ہے۔ان سب کا ذکر ''علمِ صرف'' میں ہوتا ہے۔یعنی یہ قواعد کا وہ حصہ ہے جس میں جملوں اور مرکبات کی بجائے ، فقط الفاظ کے بارے میں بحث کی جاتی ہے، ان کی ساخت، بناوٹ اور معانی کی وضاحت کی جاتی ہے اور صرف الفاظ کو موضوعِ بحث بنایا جاتا ہے۔

اسم

ا۔اسم :۔ وہ کلمہ یا لفظ جس سے کسی شخص، جانور، چیز یا جگہ کا نام ظاہر ہو۔اسے اسم کہتے ہیں۔انگریزی میں اسے Noun کہتے ہیں۔جیسے شاہد، قلم، تاج محل، دہلی، آم وغیرہ۔

معنی کے لحاظ سے اسم کو دو قسمیں ہیں۔

ا۔ اسم معرفہ ۲۔ اسم نکرہ

اسم معرفہ:۔اس کو اسم خاص بھی کہا جاتا ہے۔انگریزی میں اسے Proper Noun یا Definite Noun بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ اسم نکرہ:۔اس کو اسم عام بھی کہا جا تا ہے۔ انگریزی میں اسے Common Noun یا Indefinite Noun بھی کہا جاتا ہے۔

اسم معرفہ اور اسم نکرہ کو آسانی سے سمجھنے کے لئے درجہ ذیل جملے ذرا غور سے پڑھیے:

کالم:۱۔اسم معرفہ:

۱۔ میں کل پشاور جاؤں گا۔

۲۔ یہ گاڑی دہلی جارہی ہے۔

۳۔ وراٹ کرکٹ کھیل رہا ہے۔

کالم: ۲۔اسم نکرہ:

۱:۔ میں کل شہر جاؤں گا۔

۲:۔ یہ گاڑی گاؤں جارہی ہے۔

۳:۔ لڑکا کرکٹ کھیل رہا ہے۔

کالم نمبر ایک کے خط کشیدہ الفاظ کسی نہ کسی خاص جگہ، شخص، یا چیز کو ظاہر کر رہے ہیں۔یعنی پشاور ایک خاص شہر کا نام، دہلی ایک خاص جگہ کا نام، وراٹ ایک کھلاڑی اور کرکٹ ایک خاص کھیل کا نام ہے۔

کالم نمبر دو کے خط کشیدہ الفاظ کسی عام جگہ، شخص یا چیز کو ظاہر کرتے ہیں یعنی کوئی شہر، گاؤں، لڑکا۔

نوٹ: خیال رہے اشخاص اور جگہ کے ناموں کے علاوہ تمام ملکوں، شہروں، قصبوں، دریاؤں، پہاڑوں، سیاروں، زبانوں، کتابوں، بیماریوں، پودوں، جانوروں اور علوم وفنون کے نام بھی اسم معرفہ ہیں۔

بناوٹ کے لحاظ سے اسم کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔اسم جامد ۲۔اسم مصدر ۳۔اسم مشتق۔

جنس کے لحاظ سے اسم کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔مذکر ۲۔مونث۔

گنتی کے لحاظ سے اسم کی دو قسمیں ہیں

۱۔واحد۔ ۲۔جمع۔

اسم معرفہ:

وہ اسم جو کسی خاص شخص، خاص جگہ یا خاص شئے کا نام ہو اسے اسم معرفہ یا اسم خاص کہتے ہیں۔ معرفہ کے معنی خاص کے ہیں۔ اس لیے اسم معرفہ کو اسم خاص بھی کہتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ امجد بازار گیا ہے۔ ۲۔ سرینگر بہت بڑا شہر ہے۔

۳۔ دریائے جہلم میں سیلاب آیا ہوا ہے۔

ان تینوں مثالوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ امجد ایک خاص لڑکے کا نام ہے، کیونکہ ہر لڑکا، امجد نہیں ہوتا۔ اسی طرح سرینگر ایک خاص شہر یا مقام کا نام ہے۔ ہر شہر یا مقام کا نام سرینگر نہیں ہوتا۔ اسی طرح جہلم ایک خاص دریا کا نام ہے۔ ہر دریا کو ہم جہلم نہیں کہتے۔

اسم نکرہ:

اسم نکرہ اس اسم کو کہتے ہیں، جو کسی شئے، شخص یا جگہ کے عام نام کو ظاہر کرے۔ نکرہ کے معنی عام کے ہیں اس کا دوسرا نام اسم عام بھی ہے۔

۱۔ کتاب میز پر ہے۔

۲۔ لڑکا کھیل رہا ہے۔

۳۔ شہر میں بڑی رونق ہے۔

ان تینوں مثالوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ کتاب کسی خاص کتاب کا نام نہیں ہے، کیونکہ ہم ہر کتاب کو کتاب ہی کہتے ہیں، اسی طرح لڑکا کسی خاص لڑکے کا نام نہیں ہے، کیونکہ ہر لڑکے کو لڑکا ہی کہا جائے گا۔ اسی طرح شہر کسی خاص شہر کا نام نہیں ہے کیونکہ ہر شہر کو ہم شہر ہی کہتے ہیں۔

اسم معرفہ:

اِسم معرفہ کی چار مشہور قسمیں ہیں:۔

۱۔اسم اشارہ ۲۔اسم موصول ۳۔اسم ضمیر ۴۔اسم عَلَم

۱۔ اسم اشارہ

بات چیت کرتے ہوئے ہم اپنے مخاطب کی توجہ کسی چیز، مقام یا شخص کی طرف دلانے کے لئے آنکھ یا ہاتھ سے اشارہ کرتے ہیں۔لیکن لکھتے وقت یہ کام ہم کچھ کلمات سے لیتے ہیں۔اب اشارہ کسی دُور کی چیز یا شخص کی طرف کیا جاتا ہے یا نزدیک کے کسی شخص یا چیز کی جانب۔لہٰذا اشارہ کی دو قسمیں ہوئیں۔

۱۔ اشارۂ قریب ۲۔اشارۂ بعید

۱۔اشارۂ قریب

ایسے اسم کو کہتے ہیں جس سے نزدیک کی کسی چیز یا شخص کی طرف کیا جائے۔

مثلاً (اُ) ۱: یہ خربوزہ میٹھا ہے۔ ۲: یہ خربوزے میٹھے ہیں۔

۳: یہ لڑکی سبق سنائے۔ ۴: یہ لڑکیاں سبق سنائیں۔

ان مثالوں سے ظاہر ہوا کہ قریب کے اشارہ کے لئے کلمہ 'یہ' لایا گیا ہے اور اِس میں واحد جمع یا مذکر مؤنث کی تمیز نہیں کی گئی۔گویا 'یہ' اشارہ قریب کے لئے لایا جاتا ہے لیکن جب کسی جملے میں 'نے' 'کو' یا 'کے' وغیرہ میں سے کوئی حرف آئے تو پھر 'یہ' واحد کے لئے 'اِس' میں بدل جاتا ہے اور جمع کے لئے 'اِن' میں جیسے:۔

(ب)۱: اِس خربوزے کو کھالو۔ ۲: اِن خربوزوں کو نہ کھاؤ۔

۳: اِس لڑکی نے سبق سنایا۔ ۴: ان لڑکیوں نے سبق سنایا۔

۲: اشارۂ بعید

ایسے اسم یا کلمے کو کہتے ہیں جس سے دُور کی چیزوں کی طرف اشارہ کیا جائے۔ مثلاً۔(اُ) ۱: وہ خربوزہ میٹھا ہے۔

۲: وہ خربوزے میٹھے ہیں۔ ۳: وہ لڑکا سبق سنائے۔ ۴: وہ لڑکے سبق سنائے ہیں۔

اگر اِسم اشارہ اور متارٌ الیہ (جس کی طرف اشارہ کیا جائے) کے بعد کوئی حرفِ ربط مثلاً 'نے' 'سے' اور 'کو' وغیرہ آجائے تو ایسی صورت میں وہ واحد کی حالت میں 'اُس' سے اور جمع کی حالت میں 'اُن' سے بدل جاتا ہے۔مثلاً

(ب) ۱: اُس قلم سے لکھو۔ ۲: اُن کتابوں کو پڑھو۔

۳: اُس لڑکے نے سبق نہیں سنایا۔ ۴: ان لڑکوں نے سبق سنایا۔

یاد رکھنے کی بات

جس شخص، جگہ یا چیز کی طرف اشارہ کیا جائے اُسے مشارٌ الیہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسم اشارہ پہلے آتا ہے اور مشارٌ الیہ اس کے فوراً بعد مثلاً

۱: یہ کتاب ۲: وہ قلم

مرکبِ اِشاریہ

اِسم اشارہ اور مشارٌ الیہ سے مل کر جو مرکب بنتا ہے اُسے مرکبِ اشارہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اوپر کی مثالوں میں 'یہ کتاب' اور 'وہ قلم' مرکب اشاریہ ہیں۔

۲۔ اسم موصول

موصول کے معنی ہیں ''ملا ہوا'' قواعد میں اس اِسم کو موصول کہتے ہیں جو تنہا اپنے معنی ظاہر نہ کرے اور جس کے معنی کا تعین کرنے کے لئے کچھ اور کلمات کو لانا ضروری ہو چنانچہ اسم موصول کو اسی وجہ سے اسم ناقص یا اسم ناتمام بھی کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر:۔

۱: جو قلم کھو گیا تھا وہ مل گیا ہے۔

۲: جو دیر سے آئے گا وہ سزا پائے گا۔

اِن مثالوں میں 'جو' اسم موصول ہے۔ اگر صرف 'جو' کہا جائے تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا البتہ جب 'جو' کے بعد ''قلم کھو گیا تھا'' کہا گیا تو کہنے والے کی بات سمجھ میں آ گئی۔ اسی طرح جب 'جو' کہنے کے بعد ''دیر سے آئے گا'' کہا گیا تو 'جو' کا مطلب بھی سمجھ میں آ گیا۔ پس ظاہر ہوا کہ اسم موصول 'جو' کے معنی کا تعین کرنے کے لئے کچھ اور کلمات کی ضرورت پڑتی ہے۔

۴۔ اسم عَلَم

اسم علَم کی پانچ قسمیں ہیں:۔

۱۔لقب ۲۔خطاب ۳۔تخلص ۴۔کنیت ۵۔عرف

۱: لقب

ایسے وصفی نام کو کہتے ہیں جو کسی شخص کے اصل نام کی بجائے اُس کی کسی خاص صفت کی بنا پر مشہور ہو جائے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کا وصفی نام ''کلیم اللہ'' ہے جو ان کی اس صفت کے باعث مشہور ہوا کہ وہ کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تھے۔ اِسی طرح ''خلیل اللہ'' حضرت ابراہیمؑ کا اور ''مظلومِ کربلا'' حضرت امام حسینؓ کا لقب ہے۔

۲: خطاب

وہ تعریفی لقب یا اعزازی نام جو حکومتِ وقت یا قوم کی طرف سے کسی شخص کے قومی، علمی یا بہادُری کے کسی کارنامہ کے اعتراف میں دیا جائے جیسے سر سید احمد خاں کو برطانوی حکومت نے ان کی مصلحانہ قومی خدمات کے اعتراف میں ''سر'' کا خطاب دیا اور مولانا حالؔی کو اُن کی ادبی خدمات کے سبب ''شمس العلماء'' کا خطاب دیا۔ اسی طرح بہادری کے عظیم مظاہرہ پر میجر عزیز بھٹی شہید کو حکومت پاکستان کی طرف سے ''نشانِ حیدر'' کا خطاب دیا گیا۔

۳: تخلص

وہ مختصر نام جس کا شاعر اپنے اصلی نام کے ساتھ اضافہ کر لیتے ہیں۔ جیسے اسد اللہ خاں غالب میں غالبؔ تخلص ہے اور اسد اللہ خاں اصلی نام۔ اسی طرح شیخ محمد ابراہیم ذوق اور مولانا الطاف حسین حالی وغیرہ میں ذوق اور حالی تخلص ہیں اور شیخ محمد ابراہیم اور مولانا الطاف حسین نام ہیں۔

شاعر اکثر تخلص کو اپنی غزل کے آخری شعر میں لاتے ہیں جسے مقطع کہتے ہیں جیسے:۔

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

۴: کنیت

اُردو میں کنیت کا رِواج نہیں ہے۔ کنیتی نام عربوں سے مخصوص ہیں۔ یہ نام ماں، باپ یا بیٹے، بیٹی کے رشتہ کی مناسبت سے رکھے جاتے ہیں جیسے ابن مریمؑ ۔حضرت عیسیٰؑ کا کنیتی نام ہے۔ جو ماں کے رشتہ سے مشہور ہوا۔اسی طرح حضرت عمر بن خطاب کا کنیتی نام ان کے باپ کے رشتہ سے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کا کنیتی نام ابوالحسن کرم اللہ وجہ اُن کے بیٹے کے رشتہ سے مشہور ہوا۔اُردو میں شمیم کے آبا، زہرہ کی ماں وغیرہ کنیتی نام مثال کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔

۵: عُرف

وہ نام جو کسی شخص کا اصلی نام تو نہ ہو لیکن لاڈ پیار نفرت اور حقارت کے اظہار کے نتیجے میں ایک خاص حلقے میں مشہور ہو جائے۔ جیسے:۔ گڈو اور پپو یا پھر مجن میاں اور کالٹیا وغیرہ۔

اِسم نکرہ کی قسمیں:

اسم نکرہ کی بارہ تیرہ قسمیں ہیں جن میں سے مشہور قسموں کا بیان کیا جاتا ہے:۔

۱۔ اِسم ذات

گائے۔سکول۔رات۔چوں چوں۔چاقو۔لٹیا۔پگڑ۔جماعت۔ان اسموں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ ایسے اسم ہیں جن میں کوئی وصف نہیں پایا جاتا اور ان میں سے ہر ایک اپنی حقیقت یا اصلیت کو دُوسری چیزوں کے مقابلہ میں بالکل الگ طور پر ظاہر کرتا ہے۔ جیسے گائے کہہ کر صرف گائے ہی مراد لیں گے سکول یا چاقو نہیں۔

اسم ذات کی سات قسمیں ہیں:۔

۱۔اسم جنس ۲۔اسم ظرف (مکان وزماں) ۳۔اسم صَوت

۴۔اسم آلہ ۵۔اسم مصغر ۶۔اسم مُکبر ۷۔اسم جمع

۱: اسم جنس

گھوڑا گھاس کھاتا ہے۔گائے دودھ دیتی ہے۔

اِن جملوں میں استعمال ہونے والے اسم گھوڑا، گھاس، گائے اور دُودھ ایسے اسم ہیں جو کسی خاص چیز کے لئے نہیں آئے

بلکہ جنس کے لئے لائے گئے ہیں، ایسے اسموں کو اسم جنس کہتے ہیں۔

۲: اسم ظرف

ظرف کے معنی برتن کے بھی ہیں اور گنجائش یا سمائی کے بھی، گنجائش یا سمائی وقت (زمان) میں ہوتی ہے یا جگہ (مکان) میں۔ لہٰذا اس کی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) اسم ظرف مکاں (۲) اسم ظرف زماں

(۱) اسم ظرفِ مکاں

۱: پروین دہلی گئی ہے۔ ۲: لڑکا کمرے میں ہے۔

۳: نمازی مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

ان مثالوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دہلی، کمرہ اور مسجد ایسے اسم ہیں جو کسی نہ کسی جگہ یا مقام کو ظاہر کرتے ہیں۔

اسم ظرفِ مکاں کی تعریف:

وہ اسم جو کسی جگہ یا مقام کو ظاہر کرے اسم ظرفِ مکاں کہلاتا ہے۔ مثلاً باغ، مدرسہ، گاؤں وغیرہ۔

بنانے کے قاعدے

اسماء پر بعض سابقوں اور لاحقوں کے لگانے سے ظرف مکاں بنا لیتے ہیں سابقہ کسی لفظ سے پہلے آتا ہے اور لاحقہ اس کے بعد۔ جیسے:۔

سابقے	اسم ظرفِ مکاں
دار	دارُالافتاء، دارُالشفاء، دارُالامن، دارُالخلافہ، دارالحکومت، دارُالعمل، دارُالمطالعہ، دارُالسلطنت۔
خانہ	دواخانہ، کتب خانہ، غسل خانہ، ڈاکخانہ، شفاخانہ۔
دان	پاندان، گلدان، نمک دان، قلمدان، پائیدان۔
منڈی	غلہ منڈی، سبزی منڈی، میوہ منڈی، چونا منڈی، گوال منڈی، گھاس منڈی۔
کدہ	نعمت کدہ، ماتم کدہ، غم کدہ، عشرت کدہ، مے کدہ، بت کدہ، آتش کدہ۔

سابقے	اسم ظرف مکان
گاہ	عیدگاہ، سیرگاہ، آرامگاہ، قیامگاہ، خواب گاہ، پناہ گاہ۔
ستان	ہندوستان، افغانستان، ترکستان، پاکستان، نخلستان، چولستان، قبرستان۔
زار	سبزہ زار، چمن زار، لالہ زار، گل زار۔
سرا	مہمان سرا، محل سرا، کارواں سارا، مغل سرا۔
دانی	سرمہ دانی، مچھر دانی، چائے دانی۔
نگر	جواہر نگر، اقبال نگر، پریم، کرن نگر۔

(۲) اسم ظرفِ زماں

۱: شام کی گاڑی سے چلے جانا۔ ۲: صبح کی نماز پڑھ چکا ہوں۔ ۳: میں وہاں چند منٹوں کے لئے جاؤں گا۔ ۴: یہ کوٹ پانچ سال پرانا ہے۔ ان مثالوں میں شام، صبح، چند منٹ اور پانچ سال ایسے اسماء ہیں جو ہمیں وقت کا تصور دیتے ہیں۔

اسم ظرفِ زماں کی تعریف

وہ کلمہ جو وقت کا مفہوم دے وہ اسم ظرفِ زماں کہلاتا ہے۔ پل، گھڑی، لمحہ، سکینڈ، منٹ، گھنٹہ، دِن، رات، صبح، شام، ہفتہ، مہینہ، سال، دہ سال، ربع صدی، نصف صدی، صدی، ہزار سال، ۱۵/تاریخ، ۶/جنوری اور ۱۹۹۰ء یہ سب اسمائے ظرفِ زماں ہیں۔

(۳) اسم صَوت

کسی چیز کے نام کو اسم کہتے ہیں۔ صَوت کے معنی آواز کے ہیں۔ اسم صَوت یعنی آواز کا نام مثلاً:۔

۱: بکری ممیاتی ہے۔ ۲: شیر دھاڑتا ہے۔

۳: بُلبل چہک رہی ہے۔ ۴: گھنٹی ٹن ٹن بج رہی ہے۔

ان مثالوں میں ممیانا، دھاڑنا، چہچہانا اور ٹن ٹن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اسماء کسی نہ کسی حیوان، پرندے یا چیز

کی آواز کو ظاہر کرتے ہیں۔

اسم صَوت کی تعریف:

اسم صوت اس اسم کو کہتے ہیں، جو کسی جاندار یا بے جان شئے کی آواز کو ظاہر کرے۔ مثلاً میاؤں میاؤں (بلی کی آواز) کائیں کائیں (کوے کی آواز) ٹِک ٹِک (گھڑی کی آواز) قہقہہ (ہنسی کی آواز)

(۴) اسم آلہ

آلہ کے معنی اوزار یا ہتھیار کے ہیں۔ مثلاً:۔

ا: چاقو سے سیب کاٹ لو۔ ۲: بندوق سے ہرن کا شکار کرو۔ ۳: وہ توپ بہت بڑی ہے۔

ان مثالوں میں چاقو، بندوق اور توپ ایسے اسماء ہیں جو کسی نہ کسی اوزار یا ہتھیار کا نام ظاہر کرتے ہیں۔

اسم آلہ کی تعریف:

اسم آلہ اس اسم کو کہتے ہیں جو کسی اوزار یا ہتھیار کا نام ہو۔

(۵) اسم مُصغّر

ا: صندوقچہ کہاں ہے۔ ۲: میری پان کی ڈبیا لاؤ۔ ۳: دودھ پیالی میں ہے۔

ان مثالوں میں صندوقچہ، ڈبیا اور پیالی ایسے اسم ہیں جن سے ان چیزوں کی چھوٹائی ظاہر ہوتی ہے، ایسے اسموں کو اس مُصغّر کہتے ہیں۔ مُصغّر کے معنی ہیں ''چھوٹا کیا ہوا'' اسم مصغر کو ''اسم تصغیر'' بھی کہتے ہیں۔ تصغیر کے معنی ہیں ''چھوٹا کرنا'' اسم مُصغّر یا اسم تصغیر سے کبھی کبھی کسی اسم کی تحقیر یا پیار کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ مثلاً مرد سے مردوا۔ مکھ سے مکھڑا (پیارا چہرا) اسم مصغر بنانے کا کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے۔ ذیل میں کچھ اسم مصغر لکھے جاتے ہیں:۔

اسم	اسم مصغر	اسم	اسم مصغر
باغ	باغیچہ	بھائی	بھیا
دیگ	دیگچہ۔ دیگچی	مکھ	مکھڑا

شیشہ	شیشی	ٹوکرا	ٹوکری
مشک	مشکیزہ	پٹارا	پٹاری
پلنگ	پلنگڑی	کلہاڑا	کلہاڑی
اوڑھنا	اوڑھنی	آنکھ	انکھڑی
لونڈی	لونڈیا	ہتھوڑا	ہتھوڑی

(۶) اسم مکبّر

ا: بات کا بتنگڑ نہ بنائیں۔ ۲: یہ چھتر کیوں تان رکھا ہے۔ ۳: لٹھ لئے کہاں جاتے ہو۔

ان جملوں میں بتنگڑ، چھتر اور لٹھ ایسے اسم ہیں جو چیزوں کی بڑائی ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے اسموں کو اسم مکبر کہتے ہیں۔ مکبر کے معنی ہیں بڑا کیا ہوا۔

اردو میں اسم مکبر بنانے کا کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے، ذیل میں کچھ اسم مکبر لکھے جاتے ہیں:۔

اسم	اسم مکبر	اسم	اسم مکبر
چھتری	چھتر	سوار	شہسوار
پگڑی	پگڑ	باز	شہباز
بات	بتنگڑ	توت	شہتوت
اسم	اسم مکبر	اسم	اسم مکبر
پیڑی	پیڑ	رگ	شہ رگ
گٹھڑی	گٹھڑ	راہ	شاہراہ
لکڑی	لکڑ	درہ	شاہدرہ
لاٹھی	لٹھ	تیر	شہتیر
ٹوپی	ٹوپ	زور	شہ زور
بوٹی	بوٹا	مہرہ	خرمہرہ

(۷) اسم جمع

۱: تمہاری جماعت میں کتنے لڑکے ہیں؟ ۲: جلسہ بہت کامیاب رہا۔ ۳: محاذ پر کتنی فوج ہوگی؟

ان مثالوں میں جماعت، جلسہ اور فوج کے اسم اگرچہ واحد اسموں کی طرح لائے گئے ہیں جیسا کہ ان کے فعلوں سے ظاہر ہے، لیکن ان میں مفہوم جمع کا پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جماعت بہت سے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ جلسہ میں بھی لوگوں کی خاص تعداد ہوتی ہے۔ اسی طرح فوج بھی ایک سپاہی کو نہیں کہتے بلکہ بہت سے سپاہیوں یا فوجیوں کی ایک بڑی تعداد کو ''فوج'' کہا جاتا ہے۔

اسم جمع کی تعریف:

اسم جمع ایسے اسم کو کہتے ہیں جو بظاہر تو واحد معلوم ہو لیکن درحقیقت کئی اسموں کا مجموعہ ہو۔ مثلاً قافلہ، جماعت، گروہ، ہجوم، بھیڑ، گلہ۔

جمع اور اسم جمع کا فرق

جمع اور اسم جمع میں فرق یہ ہے کہ جمع کے مقابلے میں اس کا واحد اسم موجود ہوتا ہے۔ مثلاً کتاب واحد ہے اس کی جمع کتب ہے۔ اسی طرح شخص واحد، اشخاص جمع۔ لیکن اسم جمع کے مقابلے میں واحد اسم نہیں ہوتا اور اس کا فعل ہمیشہ واحد آتا ہے۔ جیسے:۔ ۱: فوج جارہی ہے۔ ۲: قافلہ چلا گیا۔ ۳: مجلس گرم ہے۔

لیکن جس طرح واحد اسم کی جمع ہوتی ہے اسی طرح اسم جمع کی بھی جمع بنا لیتے ہیں۔ اس صورت میں فعل بھی جمع آئے گا۔ مثلاً:۔ ۱: فوجیں لڑ رہی ہیں۔ ۲: قافلے چلے گئے۔

یاد رکھنے کی بات

لفظ ''لوگ'' اگرچہ اسم جمع ہے لیکن یہ دوسرے اسمائے جمع کے برعکس ہمیشہ بطور جمع استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ''بہت سے لوگ جمع ہیں۔''

مصدر

مصدر وہ کلمہ ہے جس میں کسی کام کا ہونا یا کرنا پایا جائے اور زمانے کی کوئی قید نہ ہو مثلاً پڑھنا، کھانا، چلنا۔ اردو میں مصدر کے آخر میں ''نا'' ہوتا ہے لیکن ایسے بھی الفاظ ہیں جن کے آخر میں ''نا'' ہوتا ہے مگر وہ مصدر نہیں ہوتے مثلاً نانا، تانا، گھرانا، جب مصدر کے آخر میں لگا ہوا ''نا'' مٹا دیا جائے تو فعل امر باقی رہ جاتی ہے مثلاً چلنا سے چل دوڑنا سے دوڑ۔

بناوٹ کے لحاظ سے مصدر کی دو قسمیں ہیں

(۱) مصدر اصلی (۲) مصدر جعلی

۱۔ **مصدر اصلی**: جانا، رونا، ہنسنا، کھانا۔

یہ سب مصدر ہیں، ان میں سے کسی ایک سے اگر ایک حرف بھی کم کر دیں تو وہ مصدر نہیں رہے گا کیونکہ یہ بنے ہی مصدری معنوں کے لیے ہیں، لہٰذا ان میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔ جیسے جانا کا پہلا حرف 'ج' کم کر دیں تو باقی 'انا' رہ جاتا ہے جو ایک بالکل مختلف لفظ ہے۔

۲۔ مصدر جعلی: روشن کرنا۔ طلب کرنا۔ تشریف لانا۔

یہ جعلی مصادر ہیں کیونکہ یہ کسی اصلی مصدر سے پہلے کوئی اور لفظ لگا کر بنائے گئے ہیں۔ بعض اوقات کسی عربی یا فارسی لفظ کے آگے صرف 'نا' لگانے سے مصدر جعلی بنا لیتے ہیں۔ جیسے بحث سے بحثنا، بخش سے بخشنا وغیرہ۔

معنی کے لحاظ سے مصدر کی دو قسمیں ہیں:۔

۱: مصدر لازم ۲: مصدری متعدی

۱۔ مصدر لازم: آنا، بیٹھنا، چلنا، اٹھنا۔

یہ سب مصدر لازم ہیں کیونکہ ان سے جو افعال بنتے ہیں۔ ان کے لئے صرف فاعل کی ضرورت پڑتی ہے۔ جیسے ''محمود آیا''۔ لڑکا بیٹھے گا وغیرہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ فعل اپنے اپنے فاعل پر ہی ختم ہو جاتے ہیں اور کسی مفعول کی ضرورت نہیں پڑتی۔

۲۔ مصدر متعدی: دینا، کھانا، لانا۔

یہ مصدری متعدی ہیں۔ ان سے جو فعل بنتے ہیں ان کے لئے فاعل کے علاوہ مفعول کی بھی ضرورت پڑتی

ہے۔جیسے ''شاہد نے سلیم کو مارا ہے'' یا ''احمد کیلے کھاتا ہے'' میں سلیم اور کیلے مفعول ہیں۔

لازم سے متعدی بنانے کے قاعدے:

بعض مصدر اپنی ذات میں ہی متعدی ہوتے ہیں۔ جیسے دینا، لانا اور کھانا یہ سب کسی لازم مصدر سے نہیں بنائے گئے بلکہ ہیں ہی متعدی۔لیکن اکثر ہم لازم مصدروں کو متعدی مصدروں میں تبدیل کر لیتے ہیں۔

۱: مصدر کے 'نا' سے پہلے 'الف' بڑھا دیتے ہیں۔جیسے ڈرنا سے ڈرانا، بڑھنا سے بڑھانا۔

۲: اگر مصدر لازم کے پہلے حرف پر 'زبر' ہو تو اس کے آگے 'الف' زیادہ کر دیتے ہیں جیسے مرنا سے مارنا یا ٹلنا سے ٹالنا۔ اگر 'زیر' ہو تو 'ی' یا 'ے' کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ جیسے پسنا سے پیسنا، اور پھرنا سے پھیرنا اور اگر پیش ہو تو ''و'' بڑھا دیتے ہیں۔جیسے لٹنا سے لوٹنا اور کھلنا سے کھولنا۔

۳: کبھی مصدر کے دوسرے حرف کے آگے 'الف' بڑھا کر جیسے ابھرنا سے ابھارنا اور اترنا سے اتارنا وغیرہ۔

۴: کبھی مصدر کے دوسرے حرف کو 'و' سے بدل دیتے ہیں، جیسے دھلنا سے دھونا۔

۵: کبھی مصدر کے دوسرے حرف کے بعد 'ے' زیادہ کر دیتے ہیں جیسے سمٹنا سے سمیٹنا۔بکھرنا سے بکھیرنا اور لپٹنا سے لپیٹنا وغیرہ۔

۶: کبھی مصدر کے دوسرے حرف کے بعد 'و' لے آتے ہیں۔جیسے کھبنا سے کھبونا۔

۷: چار حرفی مصدر میں دوسرا حرف اگر حرف علت ہو تو اسے گرا کر اس کی جگہ 'لا' لگا دیتے ہیں۔جیسے سونا سے سلانا۔ پینا سے پلانا اور کھانا سے کھلانا۔

۸: پانچ حرفی مصدر میں دوسرا حرف اگر حرفِ علّت ہو تو اس کو گرا کر 'نا' سے پہلے الف بڑھا دیتے ہیں جیسے ہارنا سے ہرانا اور جاگنا سے جگانا۔

۹: بعض اوقات حرف علّت کو گرا کے 'نا' 'الف' یا 'لا' زیادہ کرتے ہیں جیسے بیٹھنا سے بٹھانا یا بٹھلانا اور دیکھنا سے دکھانا اور دکھلانا۔

۱۰: ایک سے زیادہ معنی رکھنے والے مصادر سے معنی کے لحاظ سے متعدی بنا لیتے ہیں۔جیسے گھلنا سے گھلانا یا گھولنا متعدی ہیں۔

۱۱: لازم سے متعدی بناتے وقت بعض اوقات متعدی کی شکل لازم سے مختلف ہوجاتی ہے جیسے ٹوٹنا سے توڑنا۔ پڑنا سے ڈالنا اور رہنا سے رکھنا وغیرہ۔

۴۔ اسم فاعل

اِس کتاب کا لکھنے والا کون ہے؟ اس جملہ میں ''لکھنے والا'' سے مراد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ''لکھنے والے'' کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے کتاب کو لکھا یا جس نے کتاب لکھنے کا فعل سرانجام دیا یعنی لکھنے کے فعل کا فاعل گویا یہاں فاعل اپنے فعل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ''لکھنے والا'' کیسا فاعل ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ اسم جامد نہیں ہے بلکہ اسم مشتق ہے اور مصدر لکھنا سے اسے حاصل کیا گیا ہے۔

اسم فاعل کی تعریف:

اسم فاعل وہ اسم ہے، جو کسی فعل کے واسطے سے فاعل کی ذات کو ظاہر کرے۔ دراصل اسم فاعل فعل کی نسبت سے فاعل یعنی کام کرنے والے کا نسبتی نام ہوتا ہے۔ یہ اسم مشتق ہوتا ہے اور مصدر سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کی اپنی کوئی ذات یا شخصیت نہیں ہوتی اور یہ اسم نکرہ کی ایک قسم ہے۔

اسم فاعل کی قسمیں

اسم فاعل کی دو قسمیں ہوتی ہیں:۔

۱:اسم فاعل قیاسی ۲:اسم فاعل سماعی

اسم فاعل قیاسی

۱۔ گیت گانے والے کی آواز سُریلی ہے۔

۲۔ کھانا کھانے والے کھا چکے ہیں۔

۳۔ دوڑنے والی لڑکیوں میں شاہدہ اوّل آئی۔

ان مثالوں میں، گانے والے، کھانے والے، دوڑنے والی، یہ سب اسم فاعل، مصدروں سے حاصل کئے گئے

ہیں۔ جیسے مصدر گانا سے گانے والے، کھانا سے کھانے والے اور دوڑنا سے دوڑنے والی۔

اس فاعل قیاسی کی تعریف

اسم فاعل قیاسی وہ ہے جو کسی قاعدہ کے مطابق بنایا جائے۔

بنانے کے قاعدے:

مصدر کے آخری حرف یعنی الف کو 'ے' سے بدل دیا جاتا ہے، جیسے 'گانا' سے 'گانے' بنالیا۔ پھر واحد مذکر کے لئے 'والا'، جمع مذکر کے لئے 'والے' واحد مؤنث کے لئے 'والی' اور جمع مؤنث کے لئے 'والیاں' کا اضافہ کردیا جاتا ہے۔ مثلاً مصدر 'گانا' سے گانے والا، گانے والی۔ گانے والے، گانے والیاں۔

اسم فاعل سماعی:

۱: پالنہار خدا کی ذات ہے۔
۲: لٹیرے نے غریب دیہاتی کو لوٹ لیا۔
۳: کھوّیا ناؤ کو دریا کے پار لے گیا ہے۔

ان مثالوں میں پالنہار، لٹیرے اور کھوّیا ایسے کلمات ہیں جو اپنے فعل سے اپنے فاعل کو ظاہر کرتے ہیں۔ گویا یہ کلمے اسم فاعل ہیں، لیکن ان کو بنانے میں کوئی خاص اصول مدنظر نہیں رکھا گیا۔ جیسا کہ اسم فاعل قیاسی میں کیا جاتا ہے بلکہ یہ اسم فاعل بے قاعدہ طور پر حاصل کیے گئے ہیں۔

اسم فاعل سماعی کی تعریف:

وہ اسم فاعل جو کسی قاعدہ کے مطابق نہ بنایا جائے اسم فاعل سماعی کہلاتا ہے۔ اردو میں عربی اور فارسی کے اسم فاعل بھی پائے جاتے ہیں۔ جیسے
عربی: سائل، کامل، عادل، عالم، عامل، فاضل، شاکر، مخالف، موافق، منافق، مشرک، مصنف، ملحد وغیرہ۔

فارسی: درندہ، چرندہ، پرندہ، فریسندہ، گویندہ، نویسندہ، پروردگار، کردگار وغیرہ

۵۔ اسم مفعول

اسم مفعول کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے مفعول کے متعلق چند باتیں جاننا ضروری ہیں اگر چہ فاعل کی طرح ہر فعل کا مفعول ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جو اپنے فاعل پر ہی ختم ہو جاتے ہیں جیسے 'حامد سوتا تھا'۔ میں حامد کے سونے کا فعل صرف اُس کی ذات تک محدود ہے، لیکن بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے فاعل کے علاوہ ایک ایسی ذات کی ضرورت بھی ہوتی ہے جس پر فعل واقع ہو۔ مثلاً ''حامد نے بشیر کو مارا'' اب اس جملہ سے ظاہر ہے مارنے کا فعل بشیر پر واقع ہوا ہے جس پر کوئی فعل واقع ہو، اسے مفعول کہتے ہیں، پھر یہ دیکھو کہ بشیر، ایک اسم جامد ہے اور ایک ایسا شخص ہے جس کی اپنی ایک ذات اور شخصیت موجود ہے گویا مفعول وہ ہے جو اس فعل کو ظاہر کرے۔ جو اس پر واقع ہو، جو اسم جامد ہو اور جس کی اپنی ایک ذات اور شخصیت ہو، جیسے:۔

۱: اُبلا ہوا انڈا کھالو۔ ۲: بُھنا ہوا گوشت مزیدار ہے۔ ۳: لُٹا ہوا شخص پریشان ہے۔

ان تینوں مثالوں میں اُبلا ہوا، بھنا ہوا اور لُٹا ہوا، ایسے کلمات ہیں جو کہ اپنے مفعولوں کے نام کو ظاہر کرتے ہیں لیکن یہ ایسے اسم مفعول ہیں جو اسم جامد نہیں ہیں بلکہ مصدروں سے حاصل کئے گئے ہیں جیسے 'اُبلا ہوا' مصدر 'اُبلنا' سے۔ 'بھنا ہوا' مصدر 'بھوننا' سے اور 'لُٹا ہوا' مصدر لُوٹنا سے۔ گویا ان اسم مفعولوں کی اپنی کوئی ذات یا شخصیت نہیں ہے۔

اسم مفعول کی تعریف:

اسم مفعول وہ ہے جو اس شخص یا چیز کی ذات کو ظاہر کرے جس پر فعل واقع ہو یا دوسرے لفظوں میں فعل کی نسبت سے مفعول کے نسبتی نام کو اسم مفعول کہتے ہیں اور یہ اسم مشتق ہوتا ہے اور اس کی اپنی الگ کوئی ذات یا شخصیت نہیں ہوتی۔

اسم مفعول کی قسمیں:

اسم مفعول کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ اسم مفعول قیاسی ۲۔ اسم مفعول سماعی

اسم مفعول قیاسی

۱۔ پڑھا ہوا۔ ۲۔ لکھا ہوا۔ ۳۔ جلا ہوا۔

یہ سب اسمائے مفعول مصدروں سے حاصل کئے گئے ہیں۔

اسم مفعول قیاسی کی تعریف:

اسم مفعول قیاسی وہ اسم مفعول ہے جو مصدر سے حاصل کیا جائے اور قاعدہ کے مطابق بنایا جائے۔

بنانے کا طریقہ

کسی مصدر کے فعل ماضی مطلق صیغۂ واحد غائب مذکر کے آگے 'ہُوا' لگانے سے اسم مفعول قیاسی بن جاتا ہے۔

مثلاً پڑھنا سے پڑھا ہوا۔ لکھنا سے لکھا ہوا۔ جلنا سے جلا ہوا۔ مؤنث کی صورت میں۔ پڑھی ہوئی۔ لکھی ہوئی۔ جلی ہوئی۔

اسم مفعول سماعی

۱۔ کن کٹا ۲۔ منہ چڑھا ۳۔ بیاہتا۔

ایسے اسم مفعول ہیں جو کسی خاص قاعدہ کے مطابق نہیں بنائے گئے۔

اسم مفعول سماعی کی تعریف:

اسم مفعول سماعی وہ اسم مفعول ہے، جس کے بنانے میں کسی قاعدہ کی پابندی نہ کی گئی ہو۔

اردو میں عربی اور فارسی کے اسمائے مفعول بھی ملتے ہیں۔

عربی: مطلوب، مرغوب، مظلوم، مکرم، منور، مشتہر وغیرہ۔

فارسی: کاشتہ، نوشتہ، ستم زدہ، غم زدہ، آزردہ، افسردہ وغیرہ۔

۶۔ اسم حالیہ

۱۔ اختر اور انجم ہنستے ہنستے لڑ پڑے۔ ۲۔ رشید روتا ہوا گھر چلا گیا۔ ۳۔ بچہ کھیلتا چلا جا رہا ہے۔

اِن مثالوں میں 'ہنستے ہنستے'، 'روتا ہوا' اور 'کھیلتا' اپنے اپنے فاعلوں کی حالت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے اسموں کو اسم حالیہ کہتے ہیں۔

بنانے کے قاعدے:

کبھی مصدر کے 'نا' کو 'تا' سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے کھیلنا سے کھیلتا۔ مثال نمبر۳ میں کبھی 'نا' کو 'تا' سے بدل کر اس پر 'ہُوا' بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے مثال نمبر۲۔ اور کبھی 'تا' کو 'تے' سے بدل کر اسم حالیہ کی تکرار کرتے ہیں۔ جیسے مثال نمبر۱۔ میں ہنستے ہنستے سے ظاہر ہے۔

یاد رکھنے کی بات:

اسم حالیہ جس اسم کے بعد آئے اس کا تعلق اسی سے ہوتا ہے جیسے اُوپر کی مثالوں میں 'ہنستے ہنستے'، سے اختر اور انجم کی حالت ظاہر ہوتی ہے اور 'روتا ہوا' سے رشید کی۔ جس اسم کی حالت ظاہر کی جاتی ہے اُس اسم کو 'ذوالحال' کہتے ہیں۔ مثلاً اوپر کی مثالوں میں اختر اور انجم، رشید اور بچہ ذوالحال ہیں اور 'ہنستے ہنستے'، 'روتا ہوا' اور 'کھیلتا' اسم حالیہ ہیں۔

۷۔ اسم معاوضہ

۱۔ اس سوٹ کی سلائی کیا لو گے؟

۲۔ کپڑوں کی دُھلائی بڑھ گئی ہے۔

۳۔ مرچوں کی پسوائی دو رُوپے فی کلو ہو گی۔

اُوپر کی مثالوں میں سلائی، دُھلائی اور پسوائی سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کسی کام کی اُجرت یا مُعاوضے کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے اسماء کو اسم معاوضہ کہتے ہیں۔ ایسے اسماء مصدر متعدی کا 'نا' دُور کر کے اس پر 'ئی' لگا دینے سے بنائے جاتے ہیں۔ مثلاً سلوانا سے سلوائی رنگوانا سے رنگوائی۔ پکوانا سے پکوائی وغیرہ۔

۸۔ حاصل مصدر

۱۔ ہماری ٹیم کی جیت ہوئی۔ ۲۔ تم اپنی ہار مان لو۔ ۳۔ بجلی کی چمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔

ان مثالوں میں 'جیت'، 'ہار' اور 'چمک' کے مصدر جیتنا، ہارنا اور چمکنا سے بنے ہیں اور مصدر کے معنی دیتے ہیں اس لئے انہیں حاصل مصدر کہتے ہیں۔

حاصل مصدر کی تعریف:

حاصل مصدر ایسے اسم مشتق کو کہتے ہیں جو کسی مصدر سے بنے اور مصدر ہی کے معنی دے یا مصدر کی کسی کیفیت اور نتیجے کو ظاہر کرے۔ مثلاً پینا سے پیاس،

بنانے کے قاعدے:

۱۔ مصدر کا 'نا' دُور کر کے حاصل مصدر بنا لیتے ہیں۔ مثلاً سوچنا سے سوچ اور بولنا سے بول وغیرہ۔

۲۔ مصدر کا آخری الف گرا کر جیسے جلنا سے جلن، تھکنا سے تھکن اور چلنا سے چلن وغیرہ۔

۳۔ مصدر کا 'نا' دور کر کے 'الف' بڑھا دینے سے جیسے 'جھگڑنا سے جھگڑا۔

۴۔ مصدر کا 'نا' دُور کر کے 'اؤ' لگانے سے جیسے 'بہانا' سے بہاؤ 'چڑھنا' سے چڑھاؤ۔

۵۔ کبھی مصدر کی علامت 'نا' دور کر کے جو کچھ باقی بچے اس کے آگے 'ائی' لگا دیتے ہیں۔ مثلاً لکھنا سے لکھائی۔ پڑھنا سے پڑھائی۔ لڑنا سے لڑائی۔

۶۔ بعض مصدروں کی علامت مصدری 'نا' دور کر کے حرف 'ی' بڑھا دینے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے۔ مثلاً ہنسنا سے ہنسی۔

۷۔ بعض مصدروں کی علامت مصدری 'نا' دور کر کے 'ہٹ' کا لاحقہ لگانے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے۔ مثلاً مسکرانا سے مسکراہٹ گھبرانا سے گھبراہٹ۔

۸۔ بعض مصدروں کے آخر سے 'نا' گرا کر 'وٹ' کا لاحقہ لگانے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے۔ مثلاً بنانا سے بناوٹ۔ سجانا سے سجاوٹ۔ ملانا سے ملاوٹ

۹۔ بعض مصدروں کے آخر سے 'نا' الگ کر کے اس کے آگے 'ان' کا اضافہ کر دینے سے حاصل مصدر بن جاتا ہے۔ مثلاً اٹھنا سے اٹھان، اڑنا سے اڑان۔

۱۰۔ کبھی مصدر کی علامت 'نا' دور کر کے اس کے آگے 'ت' لگا کر حاصل مصدر بنا لیتے ہیں۔ مثلاً بچنا سے بچت، 'کھپنا' سے کھپت وغیرہ۔

۱۱۔ فارسی زبان کے اکثر حاصل مصدر اردو میں استعمال ہوتے ہیں جن میں سے چند مشہور یہ ہیں:۔

بنیائی۔ دانائی۔ دانش۔ دیدار۔ رفتار۔ گفتار۔ گفتگو۔ جستجو۔ رسائی ساخت۔ سازش۔ کوشش۔ آزمائش۔ بخشش۔ خواہش۔ آمیزش۔ گزارش۔ کشش۔ انداز۔ پرواز۔ زندگی۔ زیست۔ خرید وفروخت۔ آمد ورفت۔ پیچ وتاب۔ کشمکش وغیرہ۔

۱۲۔ عربی زبان کے بہت سے مصادر اردو میں تلفظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ حاصل مصدر کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ عِلْمٌ، فِعْلٌ کے وزن پر عربی زبان کا سہ حرفی مصدر ہے جس کے اصل معنی ہیں 'جاننا' لیکن اردو زبان میں یہ لفظ واقفیت اور معلومات کے معنوں میں حاصل مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور عِلْمٌ کے بجائے عِلْم بولتے ہیں۔

عربی زبان کے مصادر جو اُردو میں حاصل مصدر کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

فَتح۔ ضَرب۔ حَمد۔ قَصد۔ عَقد۔ درس۔ عرض۔ عَقل۔ فَضل (بزرگی) قول۔ صَوم۔ نوم (نیند) ظَنّ (گمان)۔ ذِکر۔ فکر۔ صدق۔ عِشق۔ عِلم۔ شُکر۔ حکم۔ ظُلم۔ طَلَب۔ عَمَل۔ لَذّت۔ لَعنَت۔ حکمت۔ خِدمَت۔ قیمت۔ محنت۔ ہجرت۔ ذلت۔ عزّت۔ نُصرت۔ برکت۔ حرکت۔ وقار۔ زوال۔ کمال۔ سلام۔ جلال (بزرگی)۔ کلام۔ حَیَا۔ قضا۔ حساب۔ علاج۔ فراق۔ وصال۔ قیام۔ نظام۔ امانت۔ بصارت۔ شہادت۔ صداقت۔ شرافت۔ طہارت (پاکیزگی) قناعت۔ لطافت۔ تجارت۔ حکایت۔ روایت۔ زیارت۔ سیاست۔ ضیافت۔ عبارت۔ وکالت۔ حکومت۔ سکونت۔ مروت۔ قرآن۔ نقصان۔ عرفان۔ مشغلہ۔ مشورہ۔ محبت۔ مسرت۔ مسافت۔ ملامت۔ معصیت۔ مغفرت۔ خصوصیت۔ بصیرت۔ فضیلت۔ وسیلہ۔ ذریعہ۔ اقبال۔ انکار۔ اسلام۔ التزام۔ اطاعت۔ اشاعت۔ اشتعال۔ احترام۔ امتحان۔ ابتداء۔ انتہا۔ اتفاق۔ استقبال۔ استعمال۔ تردُّد۔ تشدّد۔ تہجد۔ تولد۔ تشکر۔ تصور۔ تقدس۔ تخلص۔ تحفظ۔ تلفظ۔ توجہ۔ تَرقی۔ تسلی۔ تشفی۔ ترغیب۔

ترکیب۔تہذیب۔تفریح۔تعویذ۔توقیر۔تصغیر۔تصویر۔تکبیر۔تکلیف۔تشریف۔تصنیف وغیرہ۔

۱۳۔ اسم کیفیت: اسی قسم کے بعض اسم مصدر کے علاوہ اسم ذات یا اسم صفت سے بھی بنا لیتے ہیں۔لیکن اس صورت میں وہ حاصل مصدر کے بجائے اسم کیفیت کہلاتے ہیں۔مثلاً۔

بچہ اور لڑکا سے بچپن اور لڑکپن۔ نیا اور پرانا سے نیاپن اور پرانا پن۔

دوست سے دوستی، دشمن سے دشمنی۔ گرم سے گرمی۔سرد سے سردی

چوڑا سے چوڑائی۔گول سے گولائی وغیرہ

مشہور مصادِر اور اُن کے حاصل مصدر

مصدر	حاصل مصدر	مصدر	حاصل مصدر
آنا	آہٹ	اُکسانا	اُکساہٹ
اُکتانا	اُکتاہٹ پڑنا	پڑاؤ	
اُڑنا	اُڑان	پھرنا	پھیرا
اُٹھنا	اُٹھان	پکڑنا	پکڑ
بچنا	بچت	تننا	تناؤ
بکنا	بکواس	ٹھگنا	ٹھگی
بسنا	بسیرا	ٹھکرانا	ٹھوکر
بولنا	بول	ٹکرنا	ٹکر
بُلانا	بُلاوا	جھکنا	جھکاؤ
بگڑنا	بگاڑ	جھگڑنا	جھگڑا
پوجنا	پوجا	چڑھنا	چڑھائی

جنس کے لحاظ سے اسم کی قسمیں

جنس کے لحاظ اسم کی دو قسمیں ہوتی ہیں:۔

۱۔ مذکر اسم ۲۔ مؤنث اسم

یوں تو عام طور پر مؤنث اسم، مذکر اسم سے بنایا جاتا ہے، لیکن بعض اسم ایسے ہیں کہ ان کے لئے مذکر اسم اور مؤنث اسم الگ الگ مقرر ہیں جیسے:۔

مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
مرد	عورت	غلام	لونڈی
صاحب	میم	بیل	گائے
داماد	بہو	خصم	جورو
میاں	بیوی	مینڈھا	بھیڑ

تذکیر و تانیث حقیقی و غیر حقیقی میں فرق

جانداروں کی تذکیر و تانیث کو حقیقی تذکیر و تانیث کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں حقیقی نر اور مادّہ پائے جاتے ہیں۔ لیکن بے جان اشیاء میں چونکہ حقیقی نر اور مادّہ کا وجود نہیں پایا جاتا اس لئے ان کی تذکیر و تانیث محض اعتباری ہوتی ہے۔ لہٰذا تذکیر و تانیث غیر حقیقی کہلاتی ہے۔

تذکیر و تانیثِ حقیقی

مذکر سے مؤنث بنانے کے طریقہ

۱۔ بعض نَر یا مذکر اسموں کے آخر میں 'الف' یا 'ہ' آتا ہے، ان کے مؤنث اسم بناتے وقت 'الف' یا 'ہ' کو 'ی' سے بدل دیا جاتا ہے مثلاً دادا سے دادی۔ نانا سے نانی۔ لڑکا سے لڑکی اور بچہ سے بچی وغیرہ۔

۲۔ بعض مذکر اسم جن کے آخر میں 'ی' یا 'الف' آئے اُن کے مؤنث اسم بناتے وقت 'ی' یا 'الف' کو 'ن' سے بدل

دیا جاتا ہے۔مثلاً درزی سے درزن۔گوالا سے گوالن وغیرہ۔

۳۔ بعض مذکر اسموں کے آخر میں 'ی' یا 'نی' لگا کر مؤنث اسم بنا لئے جاتے ہیں۔مثلاً نَٹ سے نٹنی، تیتر سے تیتری اور اُونٹ سے اونٹنی وغیرہ۔

۴۔ بعض مذکر اسموں کے آخر میں 'انی' کا اضافہ کرنے سے مؤنث اسم حاصل ہوتے ہیں مثلاً شیخ سے شیخانی، سید سے سیدانی وغیرہ۔

۵۔ عربی زبان کے مذکر اسم کے آخر میں 'ہ' کا اضافہ کر کے مؤنث اسم بنائے جاتے ہیں جیسے زاہد سے زاہدہ اور قاتل سے قاتلہ وغیرہ۔

جانوروں اور پرندوں کی تذکیر و تانیث

جانوروں اور پرندوں کی تذکیر و تانیث کی جاتی ہے۔یعنی ان کا مذکر اسم بھی ہوتا ہے اور مؤنث اسم بھی لیکن سب جانوروں اور پرندوں کے بارے میں یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ بعض جانوروں اور پرندوں کو خواہ وہ نَر ہوں یا مادّہ ہم صرف مذکر ہی بولتے ہیں اور بعض کو صرف مؤنث۔مثلاً مذکر بولے جانے والے پرندوں اور جانوروں میں سے چند یہ ہیں:۔

مذکر بولے جانے والے جانور اور پرندے

مچھر، اُلّو، کچھوا، خرگوش، گدھ، ہُدہُد، بھیڑیا، ہنس، چیتا، باز، کوّا، اژدہا، بُلبُل وغیرہ

مؤنث بولے جانے والے جانور اور پرندے

بھیڑ، چمگادڑ، لومڑی، مینا، قمری، فاختہ، گلہری، مکھی، چیل وغیرہ

تذکیر و تانیث غیر حقیقی

۱۔ سب دھاتوں کے نام مذکر ہوتے ہیں مثلاً لوہا، تانبا، سونا، پیتل، المونیم وغیرہ۔لیکن کانسی اور چاندی مؤنث اسم ہیں۔

۲۔ جن اسموں کے آخر میں 'الف' یا 'ہ' آئے وہ مذکر اسم ہوتے ہیں۔مثلاً کپڑا، لوٹا، دریا، سونا، روزہ، تھانہ، پروانہ،

باجا، آٹا، دانہ وغیرہ

۳۔ جن اسموں کے آخر میں 'ی' آئے وہ مؤنث اسم ہوتے ہیں۔ مثلاً سردی، گرمی، روٹی، روشنی، کوٹھڑی، دھوتی، چھتری، لکھائی، برائی، چھٹائی، نیکی، بدی، آبادی، کشتی، سوئی وغیرہ۔

۴۔ بعض اسموں کے آخر میں 'الف' آتا ہے لیکن وہ مؤنث اسم ہی بولے جاتے ہیں مثلاً گھٹا، دُعا، فضا، ہوا، جمنا، مالا وغیرہ۔

۵۔ بعض اسموں کے آخر میں 'ی' آتی ہے مگر وہ مذکر اسم بولے جاتے ہیں جیسے گھی، دھوبی، پانی، دہی، موتی وغیرہ۔

۶۔ تمام زبانیں مؤنث اسم کہلاتی ہیں مثلاً اُردو، فارسی، عربی، سندھی، پنجابی، جرمنی، رُوسی، فرانسیسی، انگریزی اور چینی وغیرہ

۷۔ اُردو کے تمام مصادر جب الگ الگ حالت میں ہوں تو مذکر ہی ہوں گے ۔جیسے لکھنا ، چلنا، کھانا، آنا، مارنا، چلّانا، مسکرانا، ہنسنا وغیرہ۔

۸۔ سال کے تمام مہینوں کے نام مذکر اسم ہوتے ہیں۔

۹۔ تمام دنوں کے نام مذکر اسم کے طور پر استعمال ہوتے ہیں لیکن جمعرات مؤنث ہے۔

۱۰۔ ہفتہ (مُرادسات دن) مذکر اسم ہے۔

۱۱۔ تمام ستاروں کے نام مذکر اسم ہیں لیکن زمین مؤنث اسم کہلاتی ہے۔

۱۲۔ عربی زبان سے اردو میں آنے والے جن الفاظ کے آخر میں 'ت' آئے وہ مؤنث بولے جاتے ہیں۔ جیسے قیامت، محبت، رخصت، طاقت، عظمت، شرافت، عزت، حکمت، قدرت، صورت، محنت، قوت وغیرہ۔

۱۳۔ اُردو حاصل مصدر جن کے آخر میں 'پَن' آئے مذکر بولے جاتے ہیں۔ مثلاً بچپن، لڑکپن، دیوالیہ پن، دیوانہ پن وغیرہ۔

۱۴۔ ایسے عربی الفاظ جو تین حروف کا مجموعہ ہوں اور ان کے آخر میں 'الف' آئے مؤنث اسم بولے جاتے ہیں۔ مثلاً دُعا، حیا، لقا، عبا، فنا، بقا وغیرہ

۱۵۔ تمام نمازوں کے نام مؤنث بولے جاتے ہیں۔

۱۶۔ جس اسم کے آخر میں 'ٹ' آئے وہ مؤنث اسم بولا جاتا ہے۔ جیسے سجاوٹ، مِلاوٹ، آہٹ، گھبراہٹ اور گھلاوٹ وغیرہ۔

۱۷۔ فارسی زبان سے اُردو میں آئے ہوئے اسم جن کے آخر میں 'ش' آئے مؤنث اسم بولے جاتے ہیں۔ مثلاً سفارش، کوشش، جنبش، پرستش، گزارش وغیرہ۔

۱۸۔ فارسی زبان کے وہ حاصل مصدر جو اُردو میں مستعمل ہیں، اور جن کے آخر میں 'گی' آتا ہو مؤنث اسم ہیں مثلاً افسردگی، پختگی، دیوانگی، آزردگی، آسودگی، سپردگی وغیرہ۔

معنی کے اعتبار سے تذکیر و تانیث

بعض اسم ایسے ہیں کہ وہ ایک سے زیادہ معنی دیتے ہیں، ایسے اسموں کی تذکیر و تانیث ان کے معنی کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ یعنی ان کو بولتے وقت جو مفہوم یا مراد لیا جائے گا وہ مفہوم یا مطلب ان کو مذکر یا مؤنث اسم ظاہر کرے گا۔ چند الفاظ کی مثالیں درج کی جاتی ہیں:۔

الفاظ	بمعنی	مذکر	بمعنی مونث
عرض	چوڑائی	//	درخواست
چاہ	کنواں	//	محبت //
لگن	برتن	//	دُھن //
آب	پانی	//	چمک
کان	حصۂ جسم	//	جہاں سے معدنیات نکلیں

تذکیر و تانیثِ حقیقی

مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
ابا	اماں	پوتا	پوتی	کنجڑا	کنجڑن
باپ	ماں	بوڑھا	بڑھیا	نَٹ	نٹنی
میاں	بیوی	خالو	خالہ	چمار	چمارن
خصم	جورو	خاوند	بیوی	خادم	خادمہ
بیٹا	بیٹی	غلام	لونڈی	سیٹھ	سیٹھانی

دادا	دادی	فقیر	فقیرنی	ہرن	ہرنی
نانا	نانی	نواب	بیگم	مالک	مالکہ
تایا	تائی	سید	سیدانی	مہتر	مہترانی
سسر	ساس	مُلّا	ملنی	کُتّا	کُتیا
داما	بُہو	صاحب	میم	گھوڑا	گھوڑی
دُولہا	دولہن	درزی	درزن	بیل	گائے
مرد	عورت	دھوبی	دھوبن	بچھڑا	بچھیا
بھانجا	بھانجی	بھتیجا	بھتیجی	پٹھان	پٹھانی
لڑکا	لڑکی	بچہ	بچی	فرنگی	فرنگن
شاعر	شاعرہ	زاہد	زاہدہ	بکرا	بکری
ہاتھی	ہتھنی	شیر	شیرنی	شہزادہ	شہزادی

مشق

۱۔ درج ذیل میں سے مذکر اور مؤنث الگ الگ کریں:۔

بندوق، مالی، ہفتہ، سفارش، فطرت، مٹی، موتی، ناگن، چارپائی، تیلی، مالا، روشنی، دریا، سونا، جاپانی (زبان)، دہی، جمعرات، مشتری، بدھ، پگڑ، دیگ، پستول، فوجی، گزارش، طوطی۔

۲۔ درج ذیل فقروں کو مذکر اور مؤنث کے لحاظ سے درست کریں:۔

۱: آپ نے چاندی کس بھاؤ خریدا ہے؟

۲: یہ دہی کھٹی ہے۔

۳: ہمارا زمین سورج کے گرد گردش کرتا ہے۔

۴: آج بڑا سخت گرمی ہے۔

۵: پھولوں کی ہار گلے میں ڈال لو۔

۳۔ بعض اسموں کو تذکیر و تانیث ان کے معنی کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ تین مثالیں دے کر وضاحت کریں۔

۴۔ درج ذیل مؤنث کے مذکر اور مذکر کے مؤنث لکھئے:۔

بھاوج، غلام، بیگم، ماموں، سسر، بیوی، بہو، ملا، میم، خالو، بڑھیا، خصم، چمار، ڈومنی، سیٹھ، چودھری، سلطانہ، ملکہ، مالن، میراثی، پنجابی، چڑیا، فرنگن، گدھا، بھٹیارا، تیتر، مالک، گائے، ہاتھی، کبوتری، لنگڑا، قاتل، شاعر، سید، مرد۔

۵۔ تین ایسے اسم لکھیں جو صرف مذکر بولے جاتے ہیں اور تین صرف مؤنث بولے جانے والے اسم لکھیں۔

تعداد کے لحاظ سے اسم کی قسمیں

تعداد کے لحاظ سے اسم کی دو قسمیں ہوتی ہیں:۔

۱۔ **واحد:** وہ اسم ہے جو ایک چیز یا شئے کو ظاہر کرے۔

۲۔ **جمع:** وہ اسم ہے جو ایک سے زیادہ چیزوں کو ظاہر کرے۔

واحد سے جمع بنانے کے قاعدے

۱۔ جس اسم واحد مذکر کے آخر میں 'الف' یا 'ہ' آئے اس کی جمع بناتے وقت 'الف' یا 'ہ' کو 'ے' سے بدل دیں گے۔ مثال کے طور پر بچہ سے بچے یا گدھا گدھے وغیرہ۔

۲۔ جس اسم واحد مؤنث کے آخر میں 'ی' آئے اس کی جمع بنانے کے لیے 'الف' اور 'ں' بڑھا دیتے ہیں۔ مثلاً لڑکی سے لڑکیاں۔ چھتری چھتریاں وغیرہ۔

۳۔ جس اسم واحد مؤنث کے آخر میں 'ی' نہ آئے اس کی جمع بناتے وقت 'ے' اور نون غنہ کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً فصل سے فصلیں، عورت سے عورتیں وغیرہ۔

۴۔ جس اسم واحد مؤنث کے آخر میں 'الف' یا 'و' آئے ہیں اس پر 'ین' کا اضافہ کرتے ہیں مگر 'ین' لگانے سے پہلے ہمزہ 'ء' بڑھا دیتے ہیں۔ یعنی 'ئیں' زیادہ کرتے ہیں۔ مثلاً ہوا سے ہوائیں، خوشبو سے خوشبوئیں وغیرہ۔

۵۔ نِدا (یعنی پکارنے، بلانے یا مخاطب، ہونے) کی حالت میں اسم واحد خواہ مذکر ہو یا مؤنث اس کے آخر میں 'و'

بڑھا دینے سے جمع حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسے مرد سے مردو، عورت سے عورتو وغیرہ لیکن اگر اسم واحد کے آخر میں 'الف' یا 'ہ' آتا ہو تو پھر 'الف' یا 'ہ' کو گرا کر 'و' کا اضافہ کریں گے۔ مثلاً لڑکا سے لڑکو، بچہ سے بچو۔

۶۔ جس اسم واحد مؤنث کے آخر میں 'یا' آئے اس کی جمع بناتے وقت اس کے آگے 'ں' لگا دیتے ہیں جیسے گڑیا سے گڑیاں اور چڑیا سے چڑیاں وغیرہ۔

۷۔ جس اسم واحد مذکر یا مؤنث کے ساتھ 'کو' 'سے' 'نے' وغیرہ ایسے معنوی حروف آئیں، اس کی جمع 'و' اور 'ں' بڑھا کر بنائی جاتی ہے۔ مثلاً عورت نے، کے اسم جمع کی شکل عورتوں نے ہوگی۔ لیکن جہاں اسم واحد کے آخر میں 'الف' یا 'ہ' آئے وہاں 'الف' یا 'ہ' کو گرنے کے بعد 'و' اور 'ں' کا اضافہ کر دیتے ہیں جیسے لڑکا اور بچہ کے آخری 'الف' اور 'ہ' کو گرا کر 'لڑکوں سے' اور 'بچوں کو' وغیرہ حاصل کیا گیا ہے۔

۸۔ فارسی زبان کے قاعدے کے تحت بھی واحد سے جمع بنا لیتے ہیں جیسے صد سے صدہا۔ مرغ سے مرغان اور انجمن سے انجمن ہا وغیرہ۔

۹۔ عربی زبان کے الفاظ بھی اردو میں بکثرت مستعمل ہیں مثلاً حق سے حقوق، خط سے خطوط، معلم سے مُعلّمین، روح سے ارواح، امیر سے امراء اور حکایت سے حکایات وغیرہ۔

اسم جمع

ایسے الفاظ جو بظاہر واحد اسم دکھائی دیں۔ مگر مفہوم جمع دیتے ہوں اور بیان میں بطور اسم واحد استعمال ہوں اور ان کا فعل واحد ہی رہے اسم جمع کہلاتے ہیں۔ جیسے قوم، جماعت، فوج، لشکر، کارواں، قافلہ، ریوڑ، گلہ، غول وغیرہ

واحد جمع

واحد	جمع	واحد	جمع	واحد	جمع
آفت	آفات	آخر	اواخر	آلہ	آلات
اخبار	اخبارات اہل	اہلیان	انعام		انعامات

تکلیف	تکالیف	تعریف	تعریفات	تجربہ	تجربات
تصویر	تصاویر	تقریر	تقاریر	تجویز	تجاویز
جن	جنات	جسم	اجسام	جواب	جوابات
رِسالہ	رَسائل	رقم	رقوم	رُوح	ارواح
رسید	رسیدات	رسم	رسوم	زمانہ	ازمنہ
عبارت	عبارات	عمارت	عمارات	علم	علوم
علامت	علامات	عادت	عادات	عالم	علماء
لطف	الطاف	لطیفہ	لطائف	مصنف	مصنّفین
مرکز	مراکز	مشکل	مشکلات	معلوم	معلومات
مخلوق	مخلوقات ملک	ملائک	منکر	منکرین	

● حالت

۱۔محمود خط لکھتا ہے۔ ۲۔محمود قلم سے لکھتا ہے۔

پہلے جملے میں لکھنے کا کام محمود کر رہا ہے۔دوسرے جملے میں قلم کام کرنے کی حالت کو ظاہر کر رہا ہے۔ جملے میں اسم کا استعمال مختلف حالتوں میں ہوتا ہے۔ جملے میں اسم یا اس کے بجائے استعمال ہونے والے لفظوں کی حیثیت کو حالت کہتے ہیں۔اردو میں چند حالتیں یہ ہوتی ہیں۔

(۱) خبری مختلف حالتوں کو ظاہر کرنے کی علامتیں استعمال ہوتی ہیں۔

۱۔ حالت فاعلی

لڑکا کھیلتا ہے۔اُس نے لکھا ہے۔رضیہ پڑھتی ہے۔تم نے پڑھ لیا۔ان جملوں میں ''لڑکا،رضیہ،تم اور اس'' فاعل ہیں کیونکہ ان سے کوئی نہ کوئی کام ہوتا ہے۔جو اسم کسی کام کرنے والے کی حالت کا پتہ دیں وہ حالت فاعل کہلاتی ہے۔

۲۔ حالت مفعولی

۱۔ سلیم کو گھڑی انعام ملی۔ ۲۔ راشد کتاب پڑھتا ہے۔ ۳۔ استاد بچوں کو پڑھاتے ہیں۔

جن لفظوں کے نیچے نشان لگے ہیں وہ ایسے اسم ہیں، جس پر فعل یا کام کا اثر پڑتا ہے۔

جو اسم کام کرنے والے کی حالت کا پتہ دے وہ حالت مفعول ہوتی ہے۔ جیسے پڑھنے والے کا اثر کتاب پر پڑتا ہے۔

مفعول کے ساتھ 'کو' علامت آتی ہے۔ لیکن بے جان اسموں کے ساتھ 'کو' نہیں آتا۔ دیکھئے جملہ نمبر ۲۔

۳۔ حالت اضافی

ارشد ظفر کا بھائی ہے۔ سلمیٰ سلیمان کی بہن ہے۔

اس کی آنکھ میں درد ہے۔ مجید کا بھائی لاہور میں رہتا ہے۔

خط کشیدہ لفظوں کا دوسرے لفظوں کے ساتھ تعلق بتایا گیا ہے۔ کسی اسم یا ضمیر کی جس صورت سے کسی دوسرے اسم یا ضمیر سے تعلق معلوم ہوا سے حالت اضافی کہتے ہیں، کا، کے، کی، اضافت کی علامتیں ہیں۔

۴۔ طوری حالت

کتاب میز پر رکھ دو۔ وہ ریلوے میں ملازم ہے۔

زمین کے نیچے پانی ہے۔ میں گھر میں رہوں گا۔

اس بات پر غور کرو۔ اُس نے مجھے آگ سے بچایا۔

سخی سے سوم بھلا۔

اوپر کے جملوں میں نمایاں الفاظ، اسم یا ضمیر کا طریقہ، ذریعہ، انحصار، تعلق اور مقابلہ کی حالت ظاہر کرتے ہیں۔

اُسے اسم یا ضمیر کی طوری حالت کہتے ہیں۔ میں، پر، کے، نیچے اوپر، سے وغیرہ اس کی علامت ہے۔

۵۔ ندائی حالت

ارے بھائی! ذرا ادھر آنا۔ لڑکو! شور نہ کرو۔

اے لوگو یہ کیا غضب ہوا؟

ندائی حالت میں اسم مخاطب کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: بھائی، لڑکو، لوگو وغیرہ کی ضمیر کے ساتھ ندا کا استعمال نہیں ہوتا۔ اے، ارے، اجی، او وغیرہ ندا کے ساتھ آتا ہے۔

۶۔ خبری حالت

وہ اس شہر کا کلکٹر ہے۔ یہ صاحب امریکہ کے سفیر ہیں

فاختہ ایک پرندہ ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔

اوپر کی مثالوں میں خط کشیدہ لفظوں پر دھیان دیجئے۔ یہ ضمیر یا اسم کسی واقعہ یا فعل کی خبر دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ خبری حالت میں ہیں۔

اسم کی تصریف

کسی لفظ کا تعارف کرانا اور جملے میں اس کا تعلق دوسرے لفظوں کے ساتھ ظاہر کرنا ''تصریف'' کہلاتا ہے۔

اسم کی تعریف میں اسکی قسم، جنس تعداد اور حالت وغیرہ ظاہر کرنا چاہئے۔

مثال:

۱۔ پروین نے اپنی چھوٹی بہن کے لئے کھلونا خریدا۔

۲۔ ہمارا اسکول اتوار کو بند رہتا ہے۔

پروین : اسم خاص، مؤنث، واحد، حالتِ فاعلی

بہن : اسم عام، مؤنث، واحد، حالتِ مفعولی

کھلونا : اسم عام، مذکر، واحد، حالتِ مفعولی

سکول : اسم عام مذکر، واحد، حالتِ خبری

☆ ضمیر

راشدہ، نجمہ کی جماعت میں پڑھتی ہے۔وہ،اس کی سہیلی ہے۔

دوسرے جملے میں، وہ، راشدہ کے بدلے میں اور، اس، نجمہ کے بدلے میں آیا ہے۔

جولفظ اسم کے بدلے میں آتا ہے اسے ضمیر کہتے ہیں۔

ضمیر کی قسمیں

میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ بیمار ہے۔

آپس میں بات چیت کرتے وقت میں، تم اور وہ کا استعمال ہوتا رہتا ہے۔انہیں ضمیر شخصی کہتے ہیں۔

ا۔ضمیر شخصی وہ ہے جو آدمیوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔

ا۔ضمیر شخصی کی قسمیں

- بات کرنے والا۔ اسے متکلم کہتے ہیں۔
- جس سے بات کی جاتی ہے۔ اسے مخاطب کہتے ہیں۔
- جس کے بارے میں بات کی جاتی ہے۔اسے غائب کہتے ہیں۔

نیچے دیئے ہوئے لفظ ضمیر کی صورت میں استعمال ہوئے ہیں۔

(الف) متکلم کے لئے : میں، مجھ، مجھے، میرا، (واحد)

ہم، ہمیں، ہمارا (جمع)

(ب) مخاطب کے لئے : تو، تجھ، تجھے، تیرا، آپ (واحد)

تم، تم کو، تمہیں، تمہارا، اپنا (جمع)

(ج)غائب کے لئے: وہ،اس،اسے،اس کو (واحد)

وہ،ان کو،انہیں،ان کا (جمع)

اردو کی ضمیروں میں تذکیر وتانیث کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔

ضمیر مخاطب میں برابر والوں یا چھوٹوں کے لئے تم یا تو کا استعمال لیکن بڑوں کے لئے آپ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

۲۔ضمیر اشارہ

یہ قلم کس کا ہے۔ وہ کتاب میری ہے۔

یہ اور وہ لفظ سے اشارہ سمجھ میں آتا ہے۔

جو ضمیر نزدیک یا دور کے اشارہ کے لئے استعمال ہوتی ہے وہ ضمیر اشارہ کہلاتا ہے۔ یہ،اس،ان،انہیں،نزدیک کیلئے۔

جو ضمیر نزدیک یا قریب کے لئے استعمال ہوتا اشارہ قریب کہلاتی ہے۔

وہ،اُس،اُن،انہیں دور کے لئے۔

جو ضمیر دور کے لئے استعمال ہوا شارۂ بعید کہلاتی ہے۔

۳۔ ضمیر موصولہ

وہ آدمی جو کل آیا تھا آج پھر آیا۔

آپ کے دوست، جو ایک بار ملے تھے، آج کل کہاں ہیں؟

وہ کتاب، جو کل گم ہوگئی تھی، آج مل گئی ہے۔

اوپر دیئے ہوئے جملے 'جو' کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔'جو' کا لفظ کسی اسم کے بدلے آیا ہے۔اور اس کے ساتھ کوئی جملہ ہے۔

ضمیر موصولہ وہ ضمیر ہے جو کسی اسم کے بجائے آتی ہے، مگر اس کے ساتھ ہمیشہ ایک جملہ ہوتا ہے۔

ضمیر موصولہ صرف 'جو' ہے، اس کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔

واحد	جمع	حالت
جس نے	جنہوں نے	فاعلی حالت
جس کو یا جسے	جن کو یا جنہیں	مفعولی حالت
جسے (مذکر)	جن کا	اضافی حالت
جس کی (مؤنث)	جن کی	اضافی حالت

نوٹ: جس اسم کے لئے یہ ضمیر استعمال کی جاتی ہے۔ اسے ''مرجع'' کہتے ہیں۔ دی ہوئی مثالوں میں آدمی، دوست، کتاب، مرجع ہیں۔

۴۔ ضمیر استفہامیہ

آپ کیا بننا پسند کریں گے؟ دروازے پر کون کھڑا ہے۔

تمہیں کیا کیا چاہئے؟ تم کس کے ساتھ جا رہے ہو؟

روئیے کس کس کو اور کس کس کا ماتم کیجئے۔

دیئے ہوئے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کے ذریعہ سوال کیا گیا ہے۔ جو ضمیر سوال کے لئے استعمال کی جائے وہ ضمیر استفہامیہ کہلاتی ہے۔

''کون'' جاندار کے لئے اور 'کیا' بے جان ضمیروں کے لئے آتا ہے۔

۵۔ ضمیر تنکیر

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو۔

ان مثالوں میں 'کوئی' اور 'کچھ' غیر متعین آدمیوں یا چیزوں کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔ یہ ضمیر جن چیزوں کیلئے استعمال ہوئی ہے ضمیر تنکیر کہلاتی ہے۔ 'کوئی' آدمیوں کیلئے 'کچھ' چیزوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

ضمیر کی تصریف:

میں نے تمہارا پیغام پہنچا دیا۔

میں نے: ضمیر شخصی، متکلم، مذکر، واحد، حالت فاعلی

تمہارا: ضمیر شخصی، مخاطب، مذکر، واحد، حالت فاعلی

دھیان دیجئے:۔

۱۔ وہ اس کی کتاب پڑھتا ہے۔ (غلط)

وہ اپنی کتاب پڑھتا ہے۔ (صحیح)

۲۔ تم تمہارا کام کرو۔ (غلط)

تم اپنا کام کرو۔ (صحیح)

۳۔ میں میرے دوست کے ساتھ جاؤں گا۔ (غلط)

میں اپنے دوست کے ساتھ جاؤں گا۔ (صحیح)

۴۔ تو تیرے بھائی کے ساتھ جا۔ (غلط)

تم اپنے بھائی کے ساتھ وَ۔ (صحیح)

ضمیر کی قسمیں ایک بار پھر یاد کر لیجئے۔

(۱) ضمیر شخصی (۲) ضمیر اشارہ (۳) ضمیر موصولہ (۴) ضمیر استفہامیہ (۵) ضمیر تنکیر۔

صفت

رانی باغ میں ایک چھوٹا تالاب ہے اس میں کنول کے لال پھول کھلتے ہیں۔ رانی باغ، تالاب اور پھول، اسم ہیں۔ اُس، ضمیر ہے۔ لفظ 'چھوٹا' تالاب کی اور لال، پھولوں کی خوبی یا اچھائی بتا رہا ہے۔

جو لفظ اسم یا ضمیر کی خوبی بتاتے ہیں، انہیں صفت کہتے ہیں۔ جس لفظ کی صفت بتائی جاتی ہے وہ موصوف کہلاتا ہے۔

صفت کی قسمیں:

۱۔صفت ذاتی ۲۔صفت نسبتی ۳۔صفت عددی

۴۔صفت مقداری ۵۔صفتِ ضمیری

۱۔صفت ذاتی

تمہارا بھائی اس لڑکے سے بڑا ہے۔

لکڑی ہلکی اور پانی بھاری ہوتا ہے۔

پہلے جملے میں لفظ 'ہلکی' لکڑی کی اندرونی خوبی اور بھارئی پانی کے وزن کو بیان کرتا ہے۔

جس لفظ سے کسی چیز یا اسم کی اندرونی حالت یا خوبی ظاہر ہو وہ صفت ذاتی ہے جیسے ہلکا، بھاری، چالاک، پیلا۔

۲۔صفت نسبتی

ہم سب ہندوستانی ہیں۔شاعر انقلاب سے مراد حضرت جوش ملیح آبادی ہیں۔سلیمہ نے پیازی اوڑھنی خریدی۔اس کا قلم سنہرا ہے۔

اوپر کے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کسی لگاؤ یا نسبت کو ظاہر کرتے ہیں۔جو لفظ کسی اسم یا ضمیر سے نسبت ظاہر کرتے ہیں وہ صفت نسبتی کہلاتے ہیں۔

ذیل کے الفاظ صفتِ نسبتی ہیں۔

ترکی ،عربی ،امریکی ، روسی، ایرانی، لاہوری، مکی، مدنی، ملتان والا، رنگیلا، اکیلا، منجھلا، قیامت کا، غضب کا، چاند سا، سورج سا۔

۳۔ صفت عددی

رئیس نے دو آم خریدے۔ چند لڑکے کھیل رہے ہیں۔

کچھ لوگ آئے تھے۔ سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔

اوپر دیئے ہوئے جملوں میں دو چند کچھ اور بارہ اسم کی تعداد ظاہر کرتے ہیں۔ جس لفظ سے کسی اسم کی تعداد معلوم ہو تو اسے صفت عددی کہتے ہیں۔

تعداد دو طرح کی ہوتی ہے۔

جب کسی چیز کی ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم ہو تو اسے تعداد معین کہتے ہیں۔ جیسے دو، بارہ، پہلا، پانچواں

جب کسی چیز کی ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم نہ ہو اسے تعداد غیر معین کہتے ہیں۔ جیسے کچھ، چند، تھوڑی وغیرہ۔

۴۔ صفت مقداری

تین لیٹر دودھ، پاؤ کلو میٹھائی، پانچ میٹر کھادی۔

جس طرح عدد کا استعمال گنتی کے طور پر ہوتا ہے، اسی طرح چیزوں کی مقدار ناپ یا وزن کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

اوپر کی مثالوں پر دھیان دیجئے۔

جو عدد کسی چیز کی مقدار ظاہر کرتے ہیں صفت مقداری کہلاتا ہے۔ جیسے تین لٹیر، پاؤ کلو، پانچ میٹر وغیرہ۔

۵۔ صفت ضمیری

کیا چیز گر پڑی؟ ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔

جو کام تم سے نہیں ہوسکتا اسے ہاتھ کیوں لگاتے ہو؟

اوپر کے جملوں کو غور سے پڑھیئے۔ کیا ایک، جو تم، اسے ضمیریں ہیں لیکن یہ صفت کا کام دیتی ہے۔

وہ ضمیریں جو صفت کا کام دیتی ہیں یا جس صفت میں تھوڑی بہت ضمیر کی خوبی پائی جاتی ہے، صفت ضمیری ہیں۔

صفت ضمیری دو طرح کی ہوتی ہیں:۔

(۱) صفتِ مقداری (۲) صفت ضمیری

اِتنا	ایسا
اُتنا	ویسا
جتنا	جیسا

صفت کی تصریف:

اچھے آدمی سب کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے ہیں۔

اچھے صفتِ ذاتی، مذکر، جمع (آدمی اس کا موصوف)

نیک: صفتِ ذاتی، مذکر، واحد۔

ہندوستانی منصوبوں پر کروڑوں روپے صرف ہوئے ہیں۔

ہندوستانی: صفتِ نسبتی۔ مذکر جمع (منصوبوں موصوف)

کروڑوں: صفتِ عددی غیر معین، مذکر، جمع (اس کا موصوف روپے)

نوٹ: صفت کی تعریف میں مذکر، مؤنث اور واحد جمع، موصوف کے مطابق ہوتے ہیں۔

فعل:

۲۔فعل:۔ وہ کلمہ ہے جس میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی زمانہ پایا جاتا ہے اور یہ مصدر سے بنتا ہے۔فعل کسی نہ کسی کام کے کرنے یا ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔انگریزی میں اسے verb کہتے ہیں۔

معنی کے لحاظ سے فعل کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔فعل لازم ۲۔فعل متعدی۔

بناوٹ کے لحاظ سے فعل کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔فعل مثبت ۲۔فعل نفی۔

فاعل کے لحاظ سے فعل کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔فعل معروف۔ ۲۔فعل مجہول۔

زمانے کے لحاظ سے فعل کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔فعل ماضی۔ ۲۔فعل حال۔ ۳۔فعل مستقبل۔

زمانہ کے لحاظ سے فعل کی قسمیں:

فعل وہ کلمہ ہے جس سے کسی کام کا کرنا، ہونا یا سہنا کسی نہ کسی میں ظاہر ہو۔زمانے کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔زمانۂ حال ۲۔زمانہ ماضی ۳۔زمانہ مستقبل

زمانہ کے لحاظ سے فعل کی چھ قسمیں بنتی ہیں:۔

۱۔فعل ماضی ۲۔فعل حال ۳۔فعل مستقبل

۴۔فعل مضارع ۵۔فعل امر ۶۔فعل نہی

۱۔ فعل ماضی

فعل ماضی میں گزرا ہوا زمانہ پایا جاتا ہے اور گزرے ہوئے زمانے کی چھ قسمیں ہوتی ہیں:۔

۱۔ماضی مطلق ۲۔ماضی قریب ۳۔ماضی بعید

۴۔ماضی استمراری ۵۔ماضی شکیہ ۶۔ماضی شرطی یا تمنائی

۱۔فعل ماضی مطلق

وہ فعل جس میں گزرا ہوا زمانہ پایا تو جائے لیکن ٹھیک ظاہر نہ ہو کہ فعل پر تھوڑا وقت گذر چکا کہ زیادہ۔جیسے 'احمد آیا'۔

بنانے کا قاعدہ

مصدر کا 'نا' دُور کر کے کبھی صرف 'الف' کبھی 'یا' بڑھا دیتے ہیں۔جیسے 'بھاگنا'۔'بھاگا' اور 'کھانا' سے 'کھایا'۔

۲۔فعل ماضی قریب

وہ فعل جس میں قریب کا گزرا ہوا زمانہ پایا جائے۔جیسے۔'احمد آیا ہے'

بنانے کا قاعدہ:

ماضی مطلق کے بعد 'ہے' لگا دیں۔

۳۔فعل ماضی بعید

وہ فعل جس میں دور کا گزرا ہوا زمانہ پایا جائے جیسے 'احمد آیا تھا'۔

بنانے کا قاعدہ

ماضی مطلق کے بعد 'تھا' لگا دیں۔

۴۔فعل ماضی استمراری

جس میں گزرا ہوا زمانہ بار بار یا تواتر کے ساتھ پایا جائے۔جیسے 'احمد آتا تھا' یا 'احمد آتا رہا تھا'۔

بنانے کا قاعدہ:

مصدر کا 'نا' دُور کر کے 'تا تھا' یا 'رہا تھا' لگا دیں۔

۵۔فعل ماضی شکّیہ

جس میں گزرا ہوا زمانہ شک کے ساتھ پایا جائے۔جیسے 'احمد آتا ہوگا'۔

بنانے کا قاعدہ

ماضی مطلق کے بعد 'ہوگا' لگا دیں۔

۶۔فعل ماضی شرطی یا تمنائی

جس میں گزرا ہوا زمانہ شرط یا تمنا کے ساتھ پایا جائے جیسے 'اگر احمد آتا'۔'کاش احمد آتا'۔

بنانے کا قاعدہ

مصدر کا 'نا' دور کر کے 'تا' لگا دیں۔

۲۔فعل حال

فعل حال کی دو قسمیں ہیں:۔

ا:فعل حال تمام ۲:فعل حال جاری

ا۔فعل حال تمام

وہ فعل جس میں موجودہ زمانہ یا حال کا زمانہ پایا جائے۔جیسے 'احمد آتا ہے'۔

بنانے کا قاعدہ

مصدر کا 'نا' دُور کر کے 'تا ہے' لگا دیں۔

۲۔فعل حال جاری

وہ فعل جس میں موجودہ زمانے کا جاری ہونا پایا جائے جیسے 'احمد آ رہا ہے'۔

بنانے کا قاعدہ

مصدر کا 'نا' دُور کر کے 'رہا ہے' لگا دیں۔

۳۔فعل مستقبل

وہ فعل جس میں آنے والا زمانہ پایا جائے جیسے 'احمد آئے گا'۔

بنانے کا قاعدہ

مصدر کا 'نا' دور کر کے 'ئے' اور 'گا' لگا دیں۔

۴۔فعل مضارع

وہ فعل جس میں زمانہ حال اور زمانہ مستقبل دونوں پائے جائے جیسے 'احمد آئے'۔

بنانے کا قاعدہ

مصدر کا 'نا' دُور کر کے صرف 'ئے' لگا دیں۔

۵۔ فعل امر

وہ فعل جس میں زمانہ حال التجا یا حکم کے ساتھ پایا جائے جیسے 'احمد آ' یا 'احمد آؤ'۔

بنانے کا قاعدہ

مصدر کا 'نا' دُور کر دینے سے فعل امر حاصل ہو جاتا ہے۔البتہ جمع کے صیغہ کے لئے اس پر 'وٗ' یا 'وٗ' لگا دیں۔

۶۔فعل نہی

وہ فعل جس میں زمانہ حال ممانعت کے ساتھ پایا جائے۔جیسے 'احمد مت آ' یا 'احمد نہ آؤ'۔

بنانے کا قاعدہ

فعل امر سے پہلے 'مت' یا 'نہ' کا اضافہ کر دیں۔

افعال کے صیغے اور گردانیں

جس طرح کسی فعل کیلئے ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی زمانہ میں واقع ہو اسی طرح کسی فعل کیلئے یہ بھی لازم ہے کہ اس کا کوئی کرنے والا بھی ہو۔کسی کام یا فعل کے کرنے والے کو فاعل کہتے ہیں ۔ فاعل کبھی واحد ہو گا اور کبھی جمع ،اسی طرح کبھی مذکر ہو گا اور کبھی مؤنث پھر کبھی فاعل غائب ہو گا کبھی حاضر اور کبھی متکلم۔

ا۔ ضمیر غائب

فاعل واحد غائب مذکر یا مؤنث ہو یا جمع غائب مذکر یا مؤنث ہو سب کے لیے ضمیر غائب 'وہ' لائیں گے۔

۲۔ فاعل واحد حاضر

مذکر یا ہو یا مؤنث، ضمیر 'تو' لائیں گے اور جمع حاضر مذکر یا مؤنث ہوں تو ضمیر 'تم' لائیں گے۔

۳۔ فاعل واحد متکلم

مذکر ہو یا مؤنث ضمیر 'مَیں' لائیں گے، اور جمع متکلم مذکر یا مؤنث کے لئے ضمیر 'ہم' لائیں گے۔

یاد رکھنے کی باتیں

۱۔ ضمیر پر فاعل کے مذکر یا مؤنث ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن فعل کی صورت بدل جاتی ہے۔ مثلاً واحد مذکر غائب کیلئے اگر یہ کہا جائے کہ ''وہ آئے گا'' تو واحد مؤنث غائب کیلئے ''وہ آئے گی'' کہا جائے گا۔ اسی طرح فاعل اگر جمع ہو تو بھی فعل کی صورت بدل جائے گی جیسے ''وہ آئیں گے'' یا ''وہ آئیں گی''۔

۲۔ فاعل کے غائب، حاضر، متکلم اور واحد یا جمع ہونے کے سبب فعل کے چھ صیغے بنتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

فعل کے صیغے

۱۔ صیغہ واحد غائب۔ ۲۔ صیغہ جمع غائب۔ ۳۔ صیغہ واحد حاضر

۴۔ صیغہ جمع حاضر۔ ۵۔ صیغہ واحد متکلم۔ ۶۔ صیغہ جمع متکلم

یاد رکھیں:

مذکر اور مؤنث فاعلوں کے لحاظ سے فعلوں کی گردانیں الگ الگ ہوں گی۔

گردان ماضی مطلق

مصدر بھاگنا سے

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ بھاگا	وہ بھاگے	تو بھاگا	تم بھاگے	میں بھاگا	ہم بھاگے
مؤنث	وہ بھاگی	وہ بھاگیں	تو بھاگی	تم بھاگیں	میں بھاگی	ہم بھاگے

گردان ماضی قریب

مصدر بھاگنا سے

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ بھاگا ہے	وہ بھاگے ہیں	تو بھاگا ہے	تم بھاگے ہو	میں بھاگا ہوں	ہم بھاگے ہیں
مؤنث	وہ بھاگی ہے	وہ بھاگیں ہیں	تو بھاگی ہے	تم بھاگیں ہیں	میں بھاگی ہوں	ہم بھاگے ہیں

گردان ماضی بعید

مصدر بھاگنا سے

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ بھاگا تھا	وہ بھاگے تھے	تو بھاگا تھا	تم بھاگے تھے	میں بھاگا تھا	ہم بھاگے تھے
مؤنث	وہ بھاگی تھی	وہ بھاگی تھیں	تو بھاگی تھی	تم بھاگی تھیں	میں بھاگی تھی	ہم بھاگے تھے

گردان ماضی استمراری

مصدر پڑھنا سے

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ پڑھتا تھا	وہ پڑھتے تھے	تو پڑھتا تھا	تم پڑھتے تھے	میں پڑھتا تھا	ہم پڑھتے تھے
	وہ پڑھ رہا تھا	وہ پڑھ رہے تھے	تو پڑھ رہا تھا	تم پڑھ رہے تھے	میں پڑھ رہا تھا	ہم پڑھ رہے تھے
مؤنث	وہ پڑھتی تھی	وہ پڑھتی تھیں	تو پڑھتی تھی	تم پڑھتی تھیں	میں پڑھتی تھی	ہم پڑھتی تھیں

	وہ پڑھ رہی تھی	وہ پڑھ رہی تھیں	تو پڑھ رہی تھی	تم پڑھ رہی تھیں	میں پڑھ رہی تھی	ہم پڑھ رہے تھے

گردان ماضی شکیّہ

مصدر آنا سے

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ آیا ہوگا	وہ آئے ہونگے	تو آیا ہوگا	تم آئے ہوگے	میں آیا ہونگا	ہم آئے ہونگے
مؤنث	وہ آئی ہوگی	وہ آئی ہونگی	تو آئی ہوگی	تم آئی ہوگی	میں آئی ہونگی	ہم آئے ہونگے

گردان ماضی شرطی یا تمنائی

مصدر پڑھنا سے

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ پڑھتا	وہ پڑھتے	تو پڑھتا	تم پڑھتے	میں پڑھتا	ہم پڑھتے
مؤنث	وہ پڑھتی	وہ پڑھتیں	تو پڑھتی	تم پڑھتیں	میں پڑھتی	ہم پڑھتے

گردان فعل حال تمام وجاری

مصدر کرنا سے

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ کرتا ہے	وہ کرتے ہیں	تو کرتا ہے	تم کرتے ہو	میں کرتا ہوں	ہم کرتے ہیں
	وہ کر رہا ہے	وہ کر رہے ہیں	تو کر رہا ہے	تم کر رہے ہو	میں کر رہا ہوں	ہم کر رہے ہیں

مؤنث	وہ کرتی ہے	وہ کرتی ہیں	تو کرتی ہے	تم کرتی ہو	میں کرتی ہوں	ہم کرتی ہیں
	وہ کررہی ہے	وہ کررہی ہیں	تو کررہی ہے	تم کررہی ہو	میں کررہی ہوں	ہم کررہے ہیں

گردان فعل مستقبل

مصدر کھانا سے

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ کھائے گا	وہ کھائینگے	تو کھائے گا	تم کھاؤ گے	میں کھاؤنگا	ہم کھائینگے
مؤنث	وہ کھائے گی	وہ کھائیں گی	تو کھائے گی	تم کھاؤ گی	میں کھاؤنگی	ہم کھائینگے

گردان فعل مُضارع

مصدر آنا سے

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ آئے	وہ آئیں	تو آئے	تم آؤ	میں آؤں	ہم آئیں
مؤنث	وہ آئے	وہ آئیں	تو آئے	تم آؤ	میں آؤں	ہم آئیں

گردان فعل اَمر

مصدر لکھنا سے

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	×	×	تو لکھ	تم لکھو	×	×
مؤنث	×	×	تو لکھ	تم لکھو	×	×

یادرکھیں:

ا۔عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ حکم چونکہ حاضر یا موجود ہی کو دیا جاسکتا ہے لہٰذا فعل امر کے صرف دو ہی صیغے قرار دیئے

جاتے ہیں۔

۲۔فعل نہی: چونکہ فعل امر سے پہلے 'نہ' یا 'مت' لگانے سے حاصل ہوتا ہے اور حکم کی طرح کسی کام کے کرنے کی ممانعت بھی صرف حاضر یا موجود کو کی جاتی ہے۔اس لئے فعل نہی کے لکھنا سے 'تو نہ لکھ' یا 'تم مت لکھو' صرف دو صیغے ہوں گے، اور مذکر و مؤنث کا بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

فعل کی قسمیں

فاعل اور مفعول کے لحاظ سے

فاعل اور مفعول کے لحاظ سے فعل کی مندرجہ ذیل چار مشہور قسمیں ہیں:

۱: فعل لازم ۲: فعل متعدی

۳: فعل معروف ۴: فعل مجہول

(الف) ۱۔ اکرم بھاگا۔ ۲۔لڑکی روئی۔ ۳۔حفیظ بولتا ہے۔

(ب) ۱۔افضل آم کھاتا ہے۔ ۲۔عابدہ کتاب پڑھتی ہے۔

۳۔ ''فیروز نے کہانی لکھی۔''

اُوپر حصہ الف کی تینوں مثالوں میں فاعلوں کے کام ان کی اپنی ذات پر ہی لازم آتے ہیں۔کسی اور شئے یا شخص سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

فعل لازم

فعل لازم وہ فعل ہے جس کے لیے صرف فاعل کی ضرورت ہو۔مفعول کی ضروت نہ ہو۔

حصہ (ب) کی تینوں مثالوں میں جو فعل واقع ہوئے ہیں ان فعلوں کے لیے فاعل کے علاوہ مفعول کی بھی ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ مفعول کے بغیر یہ فعل واقع ہو ہی نہیں سکتے۔

فعل متعدی

فعل متعدی اس فعل کو کہتے ہیں جس کے واقع ہونے میں فاعل اور مفعول دونوں درکار ہوں یا جو فاعل کے علاوہ مفعول کو

بھی چاہے۔

فعل متعدی کی شناخت

فعل متعدی کی شناخت کا گُر یہ ہے کہ فعل کے مصدر سے ماضی مطلق بنالو اور گردان شروع کرو۔ اگر گردان 'وہ' سے شروع ہو تو فعل، فعل لازم ہوگا۔ اور اگر گردان 'اُس نے' سے شروع ہو تو فعل، فعل متعدی ہوگا۔

یاد رکھنے کی باتیں

مصدر سے ہمیشہ فعل ماضی مطلق بنانا چاہئے کوئی اور فعل نہیں۔

ضروری نوٹ

فعل چونکہ مصدر سے نکلتے ہیں۔ اس لیے لازم مصدر متعدی بنانے کے قاعدے یاد کریں جو مصدر کے سلسلہ میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

فعل لازم کی قسمیں

فعل لازم کی دو قسمیں ہیں:۔

ا: لازم تام ۲: لازم ناقص

ا۔ لازم تام

ا: اکرم سوتا ہے۔ ۲: فیاض آیا تھا۔

جب یہ کہا گیا کہ 'اکرم سوتا ہے' تو ہمیں اکرم کے بارے میں پوری خبر مل گئی۔ اسی طرح جب یہ کہا گیا کہ 'فیاض آیا تھا' تو ہمیں فیاض کے آنے کی خبر مل گئی اور ہمیں کچھ اور جاننے کی ضرورت نہ پڑھی۔

لازم تام وہ فعل ہے جو اپنے فاعل کے ساتھ مل کر پورے معنی دے اور مزید کسی خبر کا محتاج نہ ہو۔

۲۔لازم ناقص

۱:اسلم پڑ گیا۔ ۲۔زید ہو گیا

جب یہ کہا گیا کہ 'اسلم پڑ گیا' تو یہ سوال پیدا ہوا' کیا پڑ گیا' اسی طرح 'زید ہو گیا' سے بھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ زید کیا ہو گیا۔ گویا ہمیں مزید کسی خبر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور جب تک یہ نہ کہا جائے کہ 'اسلم بیمار پڑ گیا' اور 'زید پاس ہو گیا' معنی مکمل نہیں ہوتے۔

فعل لازم ناقص وہ فعل ہے جو ایک اسم کے ساتھ مل کر اپنے پورے معنی نہ دے اور مزید کسی خبر کا محتاج ہو یا اُس کا مطلب واضح کرنے کے لیے ایک اور اسم کا لانا ضروری ہو۔ مثلاً 'لڑکا جوان ہو گیا' اس مثال میں 'ہو گیا' فعل لازم ناقص ہے جس کا مطلب واضح کرنے کے لیے دو اسم (لڑکا اور جوان) لانے پڑے۔

فعل متعدی کی قسمیں:

فعل متعدی کی دو قسمیں ہیں:

۱:فعل متعدی معروف ۲:فعل متعدی مجہول

۱۔فعل متعدی معروف

۱: اکرم کھانا کھاتا تھا۔

۲: نسیم خط لکھتا ہے۔

۳: سلیم نے گھوڑا پالا۔

ان مثالوں پر ایک نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے فعلوں کے فاعل کون کون ہیں؟ کیونکہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ کھانا کون کھاتا تھا تو فوراً اس کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ ''اکرم'' یہی حال باقی مثالوں کا ہے۔

وہ متعدی فعل جس کا فاعل معلوم ہو فعل متعدی معروف کہلاتا ہے۔

۲:فعل متعدی مجہول

۱: کھانا کھایا جاتا تھا۔

۲: خط لکھا جاتا ہے۔

۳: گھوڑا پالا گیا۔

ان مثالوں پر نظر ڈالتے ہی یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہم ان کے فاعلوں کو نہیں جانتے، کیونکہ اگر یہ پوچھا جائے کہ کھانا کون کھاتا تھا؟ تو ہم نہیں بتا سکتے۔ وہ متعدی فعل جس کا فاعل نامعلوم ہو اُسے فعل متعدی مجہول کہتے ہیں۔

بنانے کے قاعدہ:

جس متعدی فعل سے فعل مجہول بنانا ہو، اس کے مصدر سے فعل ماضی مطلق بنا کر اس پر 'جانا' مصدر سے وہی فعل جو بنانا مقصود ہو لگا دو۔ جیسے اوپر فعل معروف کی پہلی مثال لو۔ ''اکرم کھانا کھاتا تھا'' میں ''کھانا'' مصدر کا ماضی مطلق ''کھایا'' بنا کر اس پر 'جانا' مصدر سے ماضی استمراری 'جاتا تھا' بنا کر لگا دیا گیا۔ یوں ''کھانا کھایا جاتا تھا'' فعل مجہول حاصل ہو گیا۔ اسی طرح دوسری مثال ''نسیم خط لکھتا ہے'' میں 'لکھنا' مصدر کے ماضی مطلق ''لکھا'' پر ''جانا'' مصدر کا فعل حال ''جاتا ہے'' لگا کر ''خط لکھا جاتا ہے'' حاصل کیا گیا ہے۔ تیسری مثال ''سلیم نے گھوڑا پالا'' میں پالنا مصدر سے ماضی مطلق ''پالا'' پر جانا مصدر کا ماضی مطلق ''گیا'' بڑھا دیا گیا۔

فعل مجہول کی گردانیں

'اُٹھانا' مصدر سے

ضروری نوٹ

صیغہ جمع مؤنث متکلم کی شکل وہی ہوگی جو جمع مذکر متکلم کی ہوگی۔

ماضی مطلق مجہول

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ اُٹھایا گیا	وہ اُٹھائے گئے	تو اُٹھایا گیا	تم اُٹھائے گئے	میں اُٹھایا گیا	ہم اُٹھائے گئے
مؤنث	وہ اُٹھائی گئی	وہ اُٹھائی گئیں	تو اُٹھائی گئی	تم اُٹھائی گئیں	میں اٹھائی گئی	ہم اُٹھائے گئے

ماضی قریب مجہول

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ اٹھایا گیا ہے	وہ اٹھائے گئے ہیں	تو اٹھایا گیا ہے	تم اٹھائے گئے ہو	میں اٹھایا گیا ہوں	ہم اٹھائے گئے ہیں
مؤنث	وہ اُٹھائی گئی ہے	وہ اُٹھائی گئی ہیں	تو اُٹھائی گئی ہے	تم اُٹھائی گئی ہو	میں اٹھائی گئی ہوں	ہم اُٹھائے گئے ہیں

ماضی بعید مجہول

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ اُٹھایا گیا تھا	وہ اُٹھائے گئے تھے	تو اُٹھایا گیا تھا	تم اٹھائے گئے تھے	میں اُٹھایا گیا تھا	ہم اُٹھائے گئے تھے
مؤنث	وہ اُٹھائی گئی تھی	وہ اُٹھائی گئی تھیں	تو اُٹھائی گئی تھی	تم اُٹھائی گئی تھیں	میں اُٹھائی گئی تھی	ہم اُٹھائے گئے تھے

ماضی استمراری مجہول

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم

مذکر	وہ اُٹھایا جاتا تھا	وہ اُٹھائے جاتے تھے	تو اُٹھایا جاتا تھا	تم اُٹھائے جاتے تھے	میں اُٹھایا جاتا تھا	ہم اُٹھائے جاتے ہیں
مؤنث	وہ اُٹھائی جاتی تھی	وہ اُٹھائی جاتی تھیں	تو اُٹھائی جاتی تھی	تم اُٹھائی جاتی تھیں	میں اُٹھائی جاتی تھی	ہم اُٹھائے جاتے تھے

ماضی شرطی یا تمنائی مجہول

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ اُٹھایا جاتا	وہ اُٹھائے جاتے	تو اُٹھایا جاتا	تم اُٹھائے جاتے	میں اُٹھایا جاتا	ہم اُٹھائے جاتے
مؤنث	وہ اُٹھائی جاتی	وہ اُٹھائی جاتیں	تو اُٹھائی جاتی	تم اُٹھائی جاتیں	میں اُٹھائی جاتی	ہم اُٹھائے جاتے

ماضی شکیہ مجہول

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ اُٹھایا گیا ہوگا	وہ اُٹھائے گئے ہوں گے	تو اُٹھایا گیا ہوگا	تم اُٹھائے گئے ہوگے	میں اٹھایا گیا ہوں گا	ہم اٹھائے گئے ہونگے
مؤنث	وہ اُٹھائی گئی ہوگی	وہ اٹھائی گئی ہوں گی	تو اٹھائی گئی ہوگی	تم اٹھائی گئی ہوں گی	میں اٹھائی گئی ہوں گی	ہم اٹھائے گئے ہونگے

فعل حال مجہول

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ اٹھایا جاتا ہے	وہ اٹھائے جاتے ہیں	تو اٹھایا جاتا ہے	تم اٹھائے جاتے ہو	میں اٹھایا جاتا ہوں	ہم اٹھائے جاتے ہیں
مؤنث	وہ اٹھائی جاتی ہے	وہ اٹھائی جاتی ہیں	تو اٹھائی جاتی ہے	تم اٹھائی جاتی ہو	میں اٹھائی جاتی ہوں	ہم اٹھائے جاتے ہیں

فعل مستقبل مجہول

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ اٹھایا جائے گا	وہ اٹھائے جائیں گے	تو اٹھایا جائے گا	تم اٹھائے جاؤ گے	میں اٹھایا جاؤں گا	ہم اٹھائے جائیں گے
مؤنث	وہ اٹھائی جائے گی	وہ اٹھائی جائیں گی	تو اٹھائی جائے گی	تم اٹھائی جاؤ گی	میں اٹھائی جاؤں گی	ہم اٹھائے جائیں گے

فعل مضارع مجہول

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم

مذکر	وہ اٹھایا جائے	وہ اٹھائے جائیں	تو اٹھایا جائے	تم اٹھائے جاؤ	میں اٹھایا جاؤں	ہم اٹھائے جائیں
مؤنث	وہ اٹھائی جائے	وہ اٹھائی جائیں	تو اٹھائی جائے	تم اٹھائی جاؤ	میں اٹھائی جاؤں	ہم اٹھائے جائیں

فعل امر

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر			تو اٹھایا جائے	تم اٹھائے جاؤ		
مؤنث			تو اُٹھائی جائے	تم اُٹھائی جاؤ		

فعل نہی

جنس	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر			تو مت اٹھایا جائے	تم مت اٹھائے جاؤ		
مؤنث			تو مت اٹھائی جائے	تم مت اٹھائی جاؤ		

اکائی نمبر 16: علمِ نحو (مرکب ناقص، مرکب جملہ)

علمِ نحو وہ علم ہے جس کے ذریعے جملوں کی ساخت، بناوٹ اور اجزا کے آپسی تعلقات کی تفصیل معلوم ہوتی ہے ۔اس علم کا موضوع ''جملہ'' ہے۔اسی کے ذریعے جملوں کی باہمی ترتیب وتعلق کا بھی پتہ چلتا ہے۔جملوں میں فاعل، فعل، مفعول، مبتدا اور فعل ناقص وغیرہ ہوتے ہیں انہیں کی ترتیب اور جملے کی مجموعی حیثیت کے جاننے کا نام ''علمِ نحو'' ہے۔

- مرغی کے بچوں کو چوزہ کہتے ہیں۔
- کس غضب کی گرمی پڑ رہی ہے۔
- ریل سیٹیاں بجاتی اور دھواں اڑاتی چلی جارہی تھی۔

اوپر کی مثالیں لفظوں کا مجموعہ ہیں۔ہم آپس میں جو بات چیت کرتے ہیں وہ بھی لفظوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے لفظوں کا یہ مجموعہ اپنے اندر معنی بھی رکھتا ہے۔

لفظوں کے مجموعہ کو جملہ کہتے ہیں۔جملے کے حصے میں دو باتیں ہوتی ہیں۔

۱۔کسی شخص یا چیز کا ذکر ہوتا ہے، جیسے اوپر کے جملوں میں مرغی کے بچوں، گرمی اور ریل کا ذکر ہے۔

۲۔شخص یا چیز کے بارے میں کوئی بات بیان کی جاتی ہے۔جیسے۔اوپر کے جملوں میں ''چوزہ'' کہتے ہیں۔کس غضب کی گرمی پڑھ رہی ہے۔سیٹیاں بجاتی اور دھواں اڑاتی چلی جارہی تھی۔

یاد رکھئے:۔

جملہ کا وہ حصہ جس میں کسی شخص یا چیز کا ذکر ہو مسند الیہ کہلاتا ہے۔کسی شخص یا چیز کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہو مسند کہلاتا ہے۔اس طرح ہر جملے کے دو حصے ہوتے ہیں۔

جملہ

جملہ: دو یا دو سے زائد الفاظ کا مرکب جس سے بات پوری طور پر سمجھ آجائے جملہ کہلاتا ہے۔مثلاً

خدا بڑا ہے

شوکت چھوٹا ہے

جملے کی دو قسمیں

جملہ خبریہ　　جملہ انشائیہ

۱۔ جملہ خبریہ:

وہ جملہ جس سے کسی بات کی خبر دی جائے جملہ خبریہ کہلاتا ہے مثلاً، زاہد پڑھ رہا ہے، اسلم لکھ رہا ہے۔

۲۔ جملہ انشائیہ:

وہ جملہ جس سے کوئی حکم یا استفہام (خواہش)، تعجب یا انبساط وغیرہ طاہر ہو، جملہ انشائیہ کہلاتا ہے۔ مثلاً کاش میں محنت کرتا۔ اسلام کہاں ہے۔

جملہ خبریہ کی دو قسمیں

(۱) جملہ اسمیہ، (۲) جملہ فعلیہ

۱۔ جملہ اسمیہ:

جملہ جو دو اسموں سے مل کر بنے یعنی جس میں مسند الیہ یا مبتداء اور مسند باخبر دونوں اسم موجود ہوں۔ مثلاً اسلم نادان ہے۔

اس جملے میں اسلم مبتدا اور نادان خبر ہے۔

مبتدا: مبتد سے مطلب وہ شخص یا چیز جس کا ذکر کیا جائے۔

خبر: خبر کا مطلب جو کچھ اس شخص یا چیز کے بارے میں کہا جائے۔

نوٹ: مسند الیہ کو ''مبتداء'' اور مسند کو ''خبر'' بھی کہتے ہیں۔

۲۔ جملہ فعلیہ:

وہ جملہ جو فعل اور فاعل سے مل کر بنے، جملہ فعلیہ کہلاتا ہے جیسے احمد بیٹھا، شیر آیا، جملہ فعلیہ کے اجزاء فعل، فاعل، علامت فاعل، مفعول، علامت مفعول اور متعلق فعل وغیرہ ہے۔

نوٹ: جملوں کو اچھی طرح پرکھنے کے لئے ترکیب نحوی دیکھنا نہ بولے۔

جملے میں لفظوں کی ترتیب

جملے میں لفظوں کو صحیح جگہ مقرر کرنا ہی لفظوں کی ترتیب کہلاتا ہے۔اگر لفظوں کی ترتیب میں خاص دھیان نہ دیا جائے تو جملہ بھدا ہو جاتا ہے۔اور اس کا مفہوم بھی ٹھیک طور پر سمجھ میں نہیں آتا۔

۱۔ عام طور سے فعل جملے کے آخر میں آتا ہے۔مسند الیہ یا مبتدا زیادہ تر پہلے ہی رہتا ہے۔خبر بعد میں آتی ہے۔

۲۔ متعدی فعل کی صورت میں مبتداء یا فاعل پہلے،اس کے بعد مفعول اور پھر ''فعل'' کا نمبر آتا ہے۔فعل کو خبر بھی کہتے ہیں۔جیسے:۔''وہ اخبار پڑھ رہا ہے۔''

اس جملہ میں لفظوں کی ترتیب درست ہے۔اگر اس کی ترتیب بگاڑ دی جائے مثلاً ''پڑھا اخبار رہا وہ ہے،'' تو یہ جملہ عجیب سا ہو جائے گا۔

اوپر بتائی ہوئی ترتیب اکثر قائم بھی نہیں رہتی،لیکن اس کے خاص خاص مواقع آتے ہیں۔جن پر عمل کرنے سے جملہ کا مفہوم اور اس کی خوبصورتی برقرار رہتی ہے۔جیسے:۔

(۱) بات میں زور پیدا کرنے کے لئے' کبھی مفعول بھی پہلے استعمال ہوتا ہے،جیسے۔

- ماروں گا کیا میں تجھے؟

(۲) بات میں زور اور اثر پیدا کرنے کے لئے کبھی مفعول بھی پہلے استعمال ہوتا ہے۔

جیسے۔

- آدمی کو آدمی کھائے جا رہا ہے۔
- ان کتابوں کو تم کہاں رکھو گے؟
- یہ قلم میرے کام کا نہیں۔

(۳) جملے میں حرف ندا عام طور سے پہلے لایا جاتا ہے۔لیکن زور پیدا کرنے کیلئے آخر میں بھی لاتے ہیں۔جیسے

- تم نے پہلے ایسا کہا کیوں نہیں ظالم!
- تیری سزا یہی ہے کمبخت۔

(۴) جملے میں ضمیر شخصی کا استعمال بہ ترتیب ذیل ہوتا ہے۔ پہلے ضمیر متکلم، پھر مخاطب، اس کے بعد ضمیر غائب جیسے:۔

- ہم تم ایک ساتھ چلیں گے۔
- میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں۔

ضمیر موصولہ (جو) بھی ہمیشہ پہلے استعمال ہوتی ہے، جیسے:۔

- جو تم کہو وہی منگا دوں۔
- جو سویا وہ کھویا۔

(۵) جملے میں 'ہی' کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اور یہ لفظ اسم، صفت اور فعل کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے:۔

- میرے واپس آنے تک گھر ہی میں رہو۔
- کتنا کہا مگر وہ بغیر لئے ٹلا ہی نہیں۔
- وہ سنتے ہی چل دیا۔

(۶) جملے میں فعل کے ساتھ حالیہ معطوفہ ہو تو ''ہی'' ان دونوں کے درمیان ہوگا جیسے:۔

- ٹھوکر کھا کر ہی آنکھ کھلتی ہے
- اس نے کچھ سمجھ کر ہی کہا ہوگا۔

نوٹ: نظم یا شعر میں جملے کی ترتیب قائم نہیں رہتی۔

جملے کی قسمیں

(بناوٹ کے لحاظ سے)

ذیل کے جملوں پر دھیان دیجئے:۔

۱۔ کنول گانا گا رہی ہے۔

۲۔ بچہ کھیل رہا ہے۔

۳۔ دھوپ نکلی ہوئی ہے۔

۴۔ مجھے معلوم ہوا کہ تمہارے بھائی کو بخار آ رہا ہے۔

۵۔ میں کل جموں جا رہا تھا مگر نہیں جا سکا۔

۶۔ رضیہ چالاک ہے اور اس کا بھائی بے وقوف ہے۔

۷۔ سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوبتا ہے۔

اوپر لکھے ہوئے جملوں میں جملہ نمبر ۱، ۲، ۳ میں صرف ایک مسند الیہ اور مسند ہے۔ اس قسم کے سادہ جملے مفرد جملے کہے جاتے ہیں۔

یاد رکھئے:۔

اگر ایک جملہ میں صرف ایک مسند الیہ (مبتداء) اور مسند (خبر) ہو تو وہ مفرد جملہ کہلاتا ہے۔ جملہ نمبر ۱ سے ۳ تک مفرد جملے ہیں۔

جملہ نمبر ۴ تا ۶ میں دو دو جملے ہیں۔ یعنی مبتداء اور خبر یا مسند الیہ اور مسند یا فعل، دو، دو، ہیں۔ یعنی مبتداء اور خبر یا مسند الیہ اور مسند یا فعل، دو دو ہیں۔

ہر جملے کے دو دو حصے ہیں اس قسم کے جملوں کو مرکب جملہ کہتے ہیں۔

اس لئے جب دو یا دو سے زیادہ جملے مل کر کسی بات یا خیال کو ادا کریں تو وہ مرکب جملہ ہوتا ہے۔

جملہ مرکب کی قسمیں

(۱) ایک جملہ دوسرے جملہ کے برابر درجہ کا نہیں ہوتا۔

(۲) دونوں جملے برابر درجے کے ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر.....

دی ہوئی مثال یعنی جملہ ۴ کے دو جز ہیں۔

(ا) مجھے معلوم ہوا۔ (ب) تمہارے بھائی کو بخار آ رہا ہے۔

جز ''ا'' (مجھے معلوم ہوا)۔ خاص یا اہم جملہ ہے اور ''ب'' اس کے ماتحت یا تابع ہے۔

مثال نمبر ۵ میں..... ''میں کل جموں جا رہا تھا'' یہ جملہ خاص یا اہم ہے۔ ''مگر نہیں جا سکا'' یہ پہلے جملے کے برابر درجہ کا نہیں بلکہ اس کا ماتحت یا تابع ہے۔

یاد رکھئے:۔

دو جملوں میں اگر ایک جملہ دوسرے جملے کے برابر درجہ کا نہ ہو، بلکہ اس کے ماتحت ہو تو اسے تابع جملہ کہیں گے۔

تابع جملہ کی قسمیں

تابع جملے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ (ا) اسمی (۲) وصفی (۳) تمیزی

ہر ایک کو سمجھنے کے لئے ذیل کے جملوں پر دھیان دیجئے۔

ا۔ مجھے نہیں معلوم کہ سلیم کل اسکول آیا تھا۔

۲۔ جو آدمی مالدار ہوتا ہے، اس کی سب عزت کرتے ہیں۔

۳۔ جب صبح ہو گئی تب مجھے معلوم پڑا۔

جملہ نمبر 'ا' میں سلیم اور اسکول اسم ہیں۔ یعنی پورا جملہ (سلیم کل اسکول نہیں آیا) اس اسم کے بجائے ہے۔

جو بجائے خود ایک اسم کا کام دے اسے اسمی تابع جملہ کہتے ہیں۔

جملہ نمبر '۲' میں..... ''جو آدمی مالدار ہوتا ہے۔'' یہ جملہ صفت کا کام دیتا ہے۔

وصفی تابع جملہ ہوا۔

جو صفت کا کام انجام دے اور خاص جملے کے کسی لفظ یا فقرے کی صفت بتائے وہ جملہ وصفی کہلاتا ہے۔

جملہ نمبر '۳' ''جب تب'' فعل کی تمیز زمانی بتاتا ہے۔

وہ جملہ جو فعل کی تمیز بیان کرے اسے تمیزی تابع جملہ کہتے ہیں۔

۱۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

۲۔ جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے۔

۳۔ یکا یک بارش ہونے لگی تو سب بھاگنے لگے۔

۴۔ رضیہ چالاک ہے۔

۵۔ اس کا بھائی بے وقوف ہے۔

جملوں کی مثال نمبر۴ میں ''رضیہ چالاک ہے۔'' ایک مکمل جملہ ہے۔اس کا بھائی بے وقوف ہے۔ یہ بھی مکمل ہے۔یعنی دونوں جملے برابر کے ہوں تو ایسے جملے 'ہم رتبہ جملے' کہلاتے ہیں۔

ہم رتبہ جملوں کی قسمیں

ہم رتبہ جملے چار قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱)وصلی جملے۔ (۲)تردیدی (۳)استدراکی (۴)سببی

مثال: وصلی جملے:۔(۱) میں آیا اور وہ چلا گیا۔

(۲) میں کچھ دیر سنتا رہا پھر فوراً چل دیا۔

وصلی جملے۔حرف ربط سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

(۲) تردیدی جملے: ایک جملہ دوسرے جملے کو الگ کرتا ہے،ان کے درمیان حرف تردید ہوتا ہے۔جیسے:۔

- اسے گھر بھیج دو یا باہر نکال دو۔
- جلدی چلو ورنہ گاڑی نکل جائے گی۔
- وہ خود آئیں خواہ مجھے بلالیں۔

اوپر کے جملوں میں ''یا''،''ورنہ'' حرفِ تردید ہیں جو ایک جملے کو دوسرے سے الگ کرتے ہیں۔

(۳)استدراکی جملے: جب جملوں کا آپس میں مقابلہ ہوتا ہے تو ان میں حرف استدراک درمیان میں آتا ہے۔جیسے:۔

- وہ وعدے تو بہت کرتا ہے لیکن یاد نہیں رکھتا۔
- خوشامد سے دنیا ہی نہیں ملتی بلکہ خدا بھی ملتا ہے۔
- وہ دولت مند تو ہے مگر دل کا چھوٹا ہے۔

بناوٹ کے لحاظ سے جملوں کی قسموں پر دھیان دیجئے۔

جملہ

مفرد جملہ	مرکب جملہ
تابع جملے	ہم رتبہ جملے
اسمی جملے	وصفی جملے
تمیزی جملے	وصلی جملے
تردیدی جملے	استدراکی جملے
سببی جملے	

فعل کے لحاظ سے جملے کی قسمیں:

۱۔ سلیمہ امتحان میں پاس ہوگئی۔

۲۔ اکبر بیمار نظر آتا ہے۔

۳۔ میں ڈاکٹر بنوں گا۔

۴۔ کیا تمہارا بھائی بیمار ہے؟

۵۔ میں وہاں پڑا رہا۔

۶۔ وہ بڑا بے وقوف نکلا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب کسی کام کا کرنا یا ہونا پایا جائے تو وہ فعل ناقص کہلاتا ہے۔اوپر کے جملوں میں خط کشیدہ لفظ فعل ناقص ہیں۔

اگر کسی جملہ میں ناقص ہوتو وہ ''جملہ اسمیہ کہلائے گا۔مثلاً اوپر درج کئے ہوئے جملے۔

اب ذیل کے جملوں پر دھیان دیجئے۔

۱۔ دھوبی کپڑے دھوتا ہے۔

۲۔ اسلم نے کہانی لکھی۔

۳۔ شاہد جارہا ہے۔

اوپر کے جملوں سے یہ ظاہر ہورہا ہے کہ فاعل کوئی کام کررہا ہے۔لہٰذا فعل متعدی ہے یا پھر فعل لازم۔ یہ فعل تام (تام یعنی پورا) ہے۔

اگر کسی جملہ میں فعل تام ہوتو وہ جملہ فعلیہ ہوتا ہے۔مثلاً نمبر ایک سے نمبر ۲ تک کے جملے۔

جملہ اسمیہ کے تین حصے ہوتے ہیں۔

۱۔ مبتداء ۲۔خبر ۳۔فعل ناقص

۱۔ سلیمہ امتحان میں پاس ہوگئی (جملہ اسمیہ)

مبتداء خبر فعل ناقص

۲۔ وہ بڑا بے وقوف نکلا (جملہ اسمیہ)

مبتداء خبر فعل ناقص

۳۔ اکبر بیمار نظر آتا ہے (جملہ اسمیہ)

مبتداء خبر فعل ناقص

نوٹ :اگر جملہ میں مسندالیہ اور مسند دونوں اسم ہوں تو بھی جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔ جملہ فعلیہ کے دو اور کبھی تین حصے ہوتے ہیں۔

(۱) فاعل (۲) فعل لازم یا فاعل، مفعول اور فعل متعدی۔

مثالیں:

(۱) جمیل جارہا ہے۔ (۲) گھوڑا دوڑتا ہے۔

فاعل فعل لازم (جملہ فعلیہ)　　فاعل فعل لازم (جملہ فعلیہ)

(۳) دھوبی کپڑے دھوتا ہے۔　　(۴) اکبر پڑھتا ہے۔

فاعل مفعول فعل متعدی　　فاعل فعل متعدی

(جملہ فعلیہ)　　(جملہ فعلیہ)

جملہ اسمیہ اور دو فعلیہ کے ہوتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ پانی فوراً زور سے برسا۔

۲۔ خدا ایک ہے۔

پہلے جملہ کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ فوراً سچ ہے یا جھوٹ، ہوسکتا ہے کہ بارش ہوئی ہے، لیکن زور سے نہ ہوئی ہو۔ بلکہ کہنے والے نے اپنی طرف سے بڑھا کر کہہ دیا ہو، اس قسم کے جملے میں شک یا شبہ، سچ اور جھوٹ کا گمان پایا جاتا ہے۔

دوسرے جملے میں سچ یا جھوٹ کا گمان نہیں۔ کیونکہ حقیقتاً خدا ایک ہے۔

دھیان دیجئے:۔

اگر کسی جملے میں سچ یا جھوٹ کا گمان پایا جائے اسے جملہ خبر کہتے ہیں۔ جس جملے میں کسی قسم کا شک کا شبہ نہ ہوا ہو۔ اسے جملہ انشائیہ کہتے ہیں۔

مرکبات ناقص:

بڑے جملوں یا مرکب جملوں میں چھوٹے بڑے جملے ہوتے ہیں۔ یہ دو دو لفظوں سے بنتے ہیں۔ ان کے درمیان میں کوئی علامت آتی ہے یا حرف آتا ہے۔ یہ جملے کا جز و یا حصہ ہوتے ہیں۔ انہیں مرکبات ناقص کہتے ہیں۔

مرکب ناقص کی قسمیں

(۱) امرکب اضافی　　(۲) مرکب توصیفی

(۳)مرکب عطفی (۴)مرکب عددی

(۵)مرکب امتزاجی (۶)مرکب تمیزی

(۷)مرکب تاکیدی (۸)مرکب جارومجرور

(۸)مرکب ظرفی (۱۰)مرکب تشبیہی

(۱)مرکبِ اضافی

جب دو اسم آپس میں ملتے ہیں، تو ان میں ایک ادھورا تعلق پیدا ہوتا ہے۔ اس ادھورے تعلق کو اضافت کہتے ہیں۔ جس اسم کے ساتھ تعلق دیا جائے اسے مضاف الیہ کہتے ہیں۔ کا، کے، کی، را، رے، ری، نے، نی۔ علامتیں اضافت کا کام کرتی ہیں۔

اردو میں مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں استعمال ہوتا ہے۔ فارسی میں اس کے برعکس ہوتا ہے اور زیر(ِ)علامت اضافت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ جیسے:۔

کھیل	کا	میدان
مضاف الیہ	علامت اضافت	مضاف

مرکب اضافی

باغ	بہشت
مضاف	مضاف الیہ

مرکب اضافی

(۲)مرکبِ توصیفی

جب دو اسموں میں ایک صفت اور دوسرا موصوف ہو تو اس مجموعے کو مرکب توصیفی کہتے ہیں۔

ٹھنڈی ہوا شب تاریک

صفت موصوف موصوف صفت

مرکب توصیفی مرکب توصیفی

اردو میں صفت پہلے اور موصوف بعد میں آتا ہے۔ فارسی میں موصوف پہلے اور صفت بعد میں۔

(۳) مرکبِ عطفی

جب دو اسموں کے درمیان حرف عطف ہو تو پہلا اسم معطوف الیہ اور دوسرا معطوف ہوتا۔ معطوف الیہ اور معطوف کے مجموعے کو مرکب عطفی کہتے ہیں۔ جیسے: حمیدہ اور سلیمہ معطوف الیہ اور معطوف مل کر مرکب عطفی ہوں گے۔

(۴) مرکبِ عددی

کچھ اسم اعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ اعداد جن اسموں کو ظاہر کرتے ہیں انہیں معدود کہتے ہیں۔

''عدد اور معدود'' مل کر مرکب عدد ہوتا ہے۔ جیسے:۔

سو روپے

عدد معدود

مرکب عددی

(۵) مرکبِ امتزاجی

جب دو یا دو سے زیادہ لفظ مل کر ایک ہی اسم ہو جائیں تو ایسے مرکب ناقص کو مرکب امتزاجی کہتے ہیں۔ جیسے: حیدرآباد، شالامار باغ، محمد اسلم۔

(۶) مرکبِ تمیزی

تیسرا دن، پانچواں شخص، دوسری سطر، آخری پیراگراف۔

اوپر کی مثالوں میں تیسرا، پانچواں، دوسری اور آخری الفاظ نے اپنے ساتھ آنے والے اسموں کی تمیز یا

شناخت کراتے ہیں۔ایسے الفاظ مرکب تمیز کہلاتے ہیں۔یہ تمیز وممیّز سے مل کر مرکب بنتے ہیں۔

(۷)مرکبِ تاکیدی

ضرور، ہرگز، زنہار، کبھی اور مطلق وغیرہ کے میل سے بنے ہوئے الفاظ بات میں زور پیدا کرنے کے لئے آتے ہیں۔جس اسم پر زور دینا ہوتا ہے اسے موکد کہتے ہیں۔تاکید اور موکد سے مرکب تاکیدی بنتا ہے۔

(۸)مرکبِ جار ومجرور

اس کے ساتھ حرفِ جار مل کر آتا ہے۔جیسے صبح سے شام تک، صبح اور شام میں 'سے' اور 'تک' جار ہیں۔
جار سے پہلے جو اسم یا ضمیر یا صفت آتی ہے اسے مجرور کہتے ہیں۔جیسے:

(۱) صبح سے (۲) شام تک

مجرور جار مجرور جار

(۹)مرکبِ ظرفی

قلم دان، ماتم کدہ غریب خانہ، بیت الحزن

ان مرکبات میں قلم، ماتم، غریب اور حزن اسم عام ہیں۔انہیں مظروف کہیں گے۔
دان، کدہ، خانہ اور بیت ظرف ہیں۔
ظرف اور مظروف کے مرکب کو مرکب ظرفی کہتے ہیں۔

(۱۰)مُرکبِ تشبیہی

چاند سا چہرہ، گل بدن (پھول جیسا بدن)

اوپر کے جملوں میں چہرے کو چاند سے اور بدن کو پھول سے مثال دی گئی ہے مثال دینے کو تشبیہ کہتے ہیں۔ایسے اسموں کو مرکب تشبیہی کہتے ہیں۔

متعلقات

جملے میں خبر، مبتداء، فعل ناقص یا فعل، مفعول اور فعل لازم اور متعددی کے علاوہ چند چھوٹے چھوٹے جملے خاص کر مرکبات ناقص پائے جاتے ہیں۔ ان کا تعلق زیادہ تر فعل سے ہوتا ہے۔ بعض جملے مفعول یا فاعل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ باتیں جز کے علاوہ بھی ہوتی ہیں۔ ان کا 'خبر' سے یا کبھی 'مبتداء' سے تعلق ہوتا ہے، انہیں متعلقات کہتے ہیں۔ جیسے:۔ اگر فعل ناقص ہے تو اس کے متعلقات خبر یا متعلق مبتداء کہلائیں گے۔ ذیل کے مثالوں میں غور کیجئے:۔

۱۔ ظفر سائیکل کو بہت تیز بھگا رہا تھا۔

اس جملے کو خاص الفاظ یعنی ظفر (فاعل) سائیکل (مفعول) بھگا رہا تھا۔ (فعل متعددی) 'بہت تیز'۔ تیز یا بہت تیز کا تعلق بھا گا رہا تھا سے ہے 'چونکہ بھگا رہا تھا' فعل ہے۔ اسلئے یہ متعلق فعل ہوگا اس کی ترکیب اس طرح ہوگی۔

ظفر سائیکل بہت تیز بھگا رہا تھا۔
فاعل مفعول متعلق فعل فعل

۲۔ نجمہ پیام تعلیم سے کہانی پڑھ رہی ہے۔

نجمہ..... فاعل
کہانی..... مفعول پیام تعلیم سے، متعلق مفعول
پڑھ رہی ہے..... فعل

۳۔ اختر ہوائی جہاز کا پائلٹ بن گیا ہے۔

بن گیا، فعل ناقص ہے۔ اس لئے اختر، مبتداء، پائلٹ، خبر ہوئے۔ 'ہوائی جہاز کا' یہ حصہ متعلق خبر ہوگا۔

ترکیب نحوی

آپ پڑھ چکے ہیں کہ جملے میں لفظوں کا ایک دوسرے سے اور جملے کا آپس میں بھی تعلق ہوتا ہے۔ اس طرح لفظ کا مفہوم یعنی اس کے معنی کے لحاظ سے جو بحث کی جاتی ہے اُسے 'نحو' کہتے ہیں۔

ترکیب نحوی کرتے وقت مندرجہ ذیل باتوں پر دھیان رکھئے۔

۱۔ سب سے پہلے جملے کی بناوٹ پر غور کیجئے۔یعنی یہ معلوم کیجئے کہ اس جملہ سے کسی کام کا کرنا یا ہونا معلوم ہوتا ہے یا کوئی خبر معلوم ہو رہی ہے۔

۲۔ جملہ میں فعل سب کے آخر میں ہوتا ہے۔اگر کسی کام کا کرنا یا ہونا ظاہر ہے تو فعل لازم ہوگا یا پھر متعدی۔

۳۔ اگر جملہ کی بناوٹ سے محض خبر ظاہر ہو رہی ہے تو فعل ناقص ہوگا۔

۴۔ فعل لازم یا متعدی کے ساتھ کون یا کس نے؟ کے ساتھ سوال کرنے پر جواب میں فاعل آتا ہے۔

۵۔ فعل ناقص کے ساتھ کون یا کس نے؟ کے ساتھ سوال کرنے پر مبتداء جواب آئے گا۔

۶۔ فاعل کے ساتھ کسے یا کس کو؟ لگا کر سوال کرنے پر مفعول کا پتہ چلے گا۔

۷۔ مبتداء کے جواب میں 'خبر' آتی ہے۔

مفرد جملوں کی ترکیب پر غور کیجئے۔

؎ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

اگر ترکیب کے لئے کوئی مصرعہ یا شعر دیا ہو تو پہلے اس کو نثر کیجئے۔نثر کرتے وقت مسند الیہ (مبتداء یا فاعل) پہلے، مسند بعد میں لائیے۔جیسے: ہمارا ہندوستان سارے جہاں سے اچھا ہے۔

مذکورہ بالا جملے کی بناوٹ پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس جملے میں کوئی کام نہیں بلکہ خبر ظاہر ہو رہی ہے۔اس لئے اس کا فعل ناقص ہوگا۔

اب فعل ناقص 'ہے' کے ساتھ 'کون' لگا کر سوال کریں یعنی کون اچھا ہے؟ تو جواب 'ہمارا ہندوستان' ہوگا۔

پھر ''ہمارا ہندوستان کیسا ہے'' لگا کر سوال کریں تو جواب۔سارے جہاں سے اچھا خبر ہوگی۔

اس کی ترکیب نحوی اس طرح ہوگی:۔

ہمارا	ہندوستان	سارے جہاں	سے	اچھا ہے
مضاف الیہ	مضاف	مجرور	حرف جار	
مرکب اضافی ہوکر		مرکب جاریہ ہوکر		

مبتداء متعلق خبر خبر ناقص

جملہ اسمیہ

؎ شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

مثال ا۔نثر: شبنم نے گلاب کے کٹورے بھر دیئے تھے۔

ترکیب نحوی یا جملے کی تحلیل

(پہلی صورت) شبنم نے گلاب کے کٹورے بھر دیئے تھے

فاعل مفعول فعل متعدی

جملہ فعلیہ

(دوسری صورت) شبنم نے گلاب کے کٹورے بھر دیئے تھے

مضاف الیہ اضافت مضاف

مرکب اضافی

فاعل علامت فاعل مفعول فعل متعدی جملہ فعلیہ جملہ معطوفہ

(مثال نمبر۲) کلیم نے بہترا پکارا مگر اس لڑکے نے پیٹھ پھیر کر نہ دیکھا

ترکیب نحوی

کلیم نے بہترا پکارا مگر اس لڑکے نے پیٹھ پھیر کر نہ دیکھا

فاعل متعلق فعل فعل متعدی فاعل متعلق فعل فعل متعدی

جملہ فعلیہ ہوکر جملہ فعلیہ ہوکر

مستدرک منہ حرف استدراک مستدرک

جملہ استدراکیہ

(مثال نمبر۳) واجد علی شاہ یہ خیال کر کے آئے تھے کہ مجھے ضرور دھوکہ دیا جائے گا۔

واجد علی شاہ یہ خیال کر کے آئے تھے کہ مجھے ضرور دھوکہ دیا جائیگا

فاعل متعلق فعل فعل لازم مفعول متعلق فعل فعل متعدی

جملہ فعلیہ ہوکر جملہ فعلیہ ہوکر

مبین حرف بیان بیان جملہ بیانیہ

مثال۴۔مودی دوڑتا ہے

مودی دوڑتا ہے

فاعل فعل فعل ناقص

جملہ فعلیہ خبریہ

مثال۵۔عمران نے گانا گایا

عمران نے گانا گایا

فاعل علامت فاعل مفعودل فعل

مثال۶: راجو کا گھر بڑا ہے

راجو کا گھر بڑا ہے

مضاف الیہ حرف اضافت مضاف خبر فعل ناقص

جملہ اسمیہ خبریہ

مثال ۷: بے شک اللہ نیک لوگوں کو نیک بدلہ دے گا۔

دے گا فعل تام

بے شک متعلق فعل

اللہ فاعل

نیک صفت مرکب توصیفی مفعول جملہ فعلیہ خبریہ

لوگوں موصوف

کو علامت مفعول

نیک صفت

بدلہ موصوف مرکب توصیفی مفعول ثانی

مثال ۸:۔ لکڑہارے نے خوب کمائی کی۔

کمائی کی فعل تام

لکڑہارے فاعل جملہ فعلیہ خبریہ

نے علامتِ فاعل

خوب متعلق فعل

۹۔ عابد نے کھانا کھایا

کھایا فعل تام

عابد فاعل جملہ فعلیہ خبریہ

نے علامتِ فاعل

کھانا مفعول

۱۰۔ شمیم بازار میں موجود تھا

تھا فعل ناقص

شمیم مبتداء

موجود خبر جملہ اسمیہ خبریہ

بازار مجرور مرکب جاری متعلق خبر

میں جار

Assignment Questions

Course No. : 205   M.A Urdu, Semester-II

M. Marks: 20   (Each Assignment Contain 10 Marks)

(نوٹ) مندرجہ ذیل میں دیئے گئے دونوں سوالات کے جوابات لکھنے لازمی ہیں۔

سوال نمبر 1۔ لسانیات سے کیا مرُاد ہے اور لسانیات کی اقسام کو قلم بند کیجئے۔

سوال نمبر 2۔ ارتقائے لسان کے مدارج اور لسانیاتی اصطلاحات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے۔

☆☆٪☆☆☆=٪☆☆٪☆٪٪☆٪☆☆

Course Contributors /Content Editing:

1. **Dr. Zubair Shadab Khan** **(Lesson 1, 2, 3, 4, 5, 6, 7, 8, 9, 10, 11 & 12)**
   CIL, SLL&CS JNU, New Delhi.

2. **Dr. Farhat Shamim** **(Lesson 13, 14, 15, & 16)**
   Asstt. Professor, Deptt. of Urdu, University of Jammu.

Proofreading: & Editing. **Dr. Liaqat Ali**
Incharge Teacher Urdu, DDE, Jammu University.

© Directorate of Distance Education, University of Jammu, Jammu 2018

* All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the DDE, University of Jammu.

* The script writer shall be responsible for the lesson/script submitted to the DDE and any plagiarism shall be his/her entire responsibility.

Printed By : M/S Classic Printers/20/800

DIRECTORATE OF DISTANCE EDUCATION
UNIVERSITY OF JAMMU
JAMMU

SELF INSTRUCTION MATERIAL
M.A. URDU (SEMESTER SECOND)

COURSE NO: 205 (URDU LISANIYAT AUR QAWAID)

UNIT I-IV **LESSON : 1-16**

PROF. (DR) SHOHAB INAYAT MALIK COURSE COORDINATOR

DR LIAQAT ALI INCHARGE TEACHER

http:/www.distanceeducationju.in

(C) All copyright privileges of the material vest with the Directorate of Distance Education, University of Jammu, Jammu-18000